رجب المرجب ۱۴۳۹ھ
اپریل ۲۰۱۸ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- مقامِ محمدی ﷺ
  پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ
- حکمتِ قرآنی کی اساسات
  شجاع الدین شیخ

داعیٔ رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

خاص ایڈیشن
- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ آفسٹ پیپر
- بڑے سائز میں
- عمدہ طباعت
- مضبوط جلد

سات جلدوں پر مشتمل
مکمل سیٹ کی قیمت: 3700 روپے

عوامی ایڈیشن
- کتابی سائز
- پیپر بیک بائنڈنگ
- امپورٹڈ بک پیپر
- عمدہ طباعت
- دیدہ زیب ٹائٹل

چھ جلدوں پر مشتمل
مکمل سیٹ کی قیمت: 1800 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

جلد : 67
شمارہ : 4
رجب المرجب 1439ھ
اپریل 2018ء
فی شمارہ 30/-

مدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون
- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
فون: 36316638 - 36366638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5
امیدوں کے خون میں 'غوطہ' — ادارہ

بیانُ القُرآن — 9
سورۃ الاحزاب (آیات ۵۳تا۷۳) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعہ قرآن حکیم — 25
حکمتِ قرآنی کی اساسات اور حقیقت واقسامِ شرک — شجاع الدین شیخ

اُسوہ و سیرت — 43
مقامِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام — پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ

توضیح و تنقیح — 55
قرآن مجید میں خدا کے وعدوں کو سمجھنے میں غلطی — محمد ندیم پشاوری

دعوتِ فکر — 67
تصویر سازی — حافظ سید اُسامہ علی

تذکیر وموعظت — 87
عِیادۃُ المَریض — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

تعلیم و تدریس — 90
ہم اپنے بچوں کو قرآن کریم کی عربی زبان کیسے سکھائیں؟ — مولانا محمد بشیرؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمیدوں کے خون میں ’غوطہ‘

شام میں انسانی تاریخ کا بدترین المیہ جنم لے رہا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اس پر جنگ عظیم اول اور دوئم میں انسانی اخلاقیات کا قحط بانٹنے والا مغرب بھی چیخ اُٹھا ہے۔ خاص طور پر پچھلے چند ہفتوں میں غوطہ پر جو قیامت ڈھائی گئی اس کے بعد کشمیر‘ برما اور فلسطین میں ہونے والے بدترین مظالم پر آنکھیں موند لینے والے بین الاقوامی ادارے UNO کے سیکرٹری جنرل انٹونیو گوٹیرش نے غوطہ کو ’’زمین پر دوزخ‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ وہ اُمتِ مسلمہ جس کے بارے میں ہم بچپن سے پڑھتے اور سنتے آئے تھے کہ وہ ایک جسم کی مانند ہے اور جسم کے ایک حصہ کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کا درد سارے جسم میں محسوس ہوتا ہے آج غوطہ میں رقم ہونے والی بربریت‘ خونریزی اور وحشت کی المناک تاریخ پر درد محسوس کرنے کی بجائے اس بحث میں اُلجھی پڑی ہے کہ آیا شام سے آنے والی ویڈیوز اصلی ہیں یا جعلی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خاص طور پر وہ پاکستان جس کے بارے میں پاکستانی فخر سے تذکرہ کرتے ہیں کہ یہ فلسطین اور شام کے مسلمانوں کی اُمیدوں کا مرکز ہے‘ اُن پر کوئی بھی مشکل آتی ہے تو وہ پاکستان کی طرف دیکھتے ہیں‘ جو عالَمِ اسلام کی واحد ایٹمی طاقت اور اس کی فوج دنیا کی طاقتور ترین افواج میں سے ایک ہے۔ جس کے جدید ترین میزائلز کی رینج میں اسرائیل بھی آتا ہے۔ اُس پاکستان کے میڈیا میں کافی انتظار کے بعد شام کا تذکرہ تو خیر سے ہوا مگر شام کا ’’درد‘‘ محسوس کرنے کے لیے نہیں‘ بلکہ موضوع شام سے آنے والی جعلی ویڈیوز ہیں۔ (اگرچہ عالمی قوتیں مسلمانوں میں اضطراب پھیلا کر مسلم حکمرانوں کو بلیک میل کرنے کے لیے کچھ جعلی ویڈیوز بھی پھیلا رہی ہیں‘ جن کا دوسرا مقصد فلسطین پر بڑھتے ہوئے یہودی مظالم کو چھپانا بھی ہے‘ لیکن ان جعلی ویڈیوز کی تعداد اصلی ویڈیوز کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے)۔ حقائق یہ ہیں کہ سارا شام اُجڑ گیا‘ لاکھوں شامی مہاجر ہو گئے‘ لاکھوں مٹی تلے پہنچ گئے‘ ہزاروں بے گور و کفن لاشیں ملبے تلے دبی ہیں اور ہزاروں زندہ لاشیں اپنے پیارے بچوں‘ والدین‘ بہن بھائیوں کو ایک بار دیکھ لینے کی حسرت آنکھوں میں سجائے شام کی تباہ حال

گلیوں اور بازاروں میں گھومتی پھر رہی ہیں۔ ہزاروں والدین اپنے معصوم بچوں کی لاشیں اُٹھائے نم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

المیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دانشور زیادہ دور کی کوڑی لاتے ہیں تو یہ کہہ کر بریٔ الذمّہ ہو جاتے ہیں کہ شام میں عالمی قوتیں اپنے مفادات کا کھیل کھیل رہی ہیں۔ کسی نے زیادہ دانشوری بگھاری تو یہ کہہ دیا کہ یہ سب کچھ گریٹر اسرائیل کے ایجنڈے کے تحت ہو رہا ہے۔ مگر کوئی حق کی بات کہنے کے لیے تیار نہیں کہ جب تک گھر کے رکھوالے چوروں کے ساتھ نہ مل جائیں تب تک چور کھلی لوٹ نہیں مچا سکتے۔ غوطہ میں روس نے نہتے شہریوں پر بمباری کی تو کس کے کہنے پر کی؟ امریکہ وہاں مداخلت کا مرتکب ہو رہا ہے تو کس کے لیے ہو رہا ہے؟ سارا الزام امریکہ اور روس کے سر منڈھ کر ہم دانشوری کا تمغہ اپنے سر سجا لیں گے تو پھر عالَمِ اسلام کا ہر شہر غوطہ بنتا رہے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے اور وقت کا اہم ترین تقاضا بھی کہ ہم اپنے گھروں کے ان رکھوالوں کا بائیوڈیٹا معلوم کریں جن کی وجہ سے شام اُجڑ گیا‘ عراق مسمار ہو گیا‘ لیبیا لُٹ گیا‘ افغانستان کا تورا بورا بن گیا اور پاکستان امریکن کالونی بن گیا۔ جب تک ہم اپنی بربادی کے اصل مہروں کا کھوج نہیں نکالیں گے تب تک نہ تو مسلم دنیا میں بہتا خون رکے گا‘ نہ اُمت کی ذلت و رسوائی میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو سکے گا۔

ذکر شام کا ہو رہا ہے تو آیئے دیکھتے ہیں شام کی بربادی کا اصل ذمہ دار کون ہے؟ شام ایک اسلامی ملک ہے۔ اس کی ۹۰ فیصد آبادی مسلمان ہے‘ لیکن ۵۰ سال سے اس پر ایک ایسا خاندان جبراً مسلط ہے جو اہل تشیع اور اہل سنت دونوں کے نزدیک مسلمان ہے ہی نہیں۔ شام کی اکثریت سول و سرکاری اداروں‘ حکومت اور معیشت میں اپنا حق چاہتی ہے‘ لیکن یہ چند فیصد آبادی والا اقلیتی گروہ ۹۰ فیصد آبادی کو ان کے جائز حقوق دینے کے لیے تیار نہیں اور یہی شام کے تنازع کی اصل وجہ ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ اقلیتی گروہ جو مسلمان بھی نہیں ہے‘ ایک مسلم اکثریت والے ملک پر جبراً قابض ہے۔ تاریخ میں ہم اس کا جواب تلاش کریں تو پتا چلتا ہے کہ شام کا یہ علوی قبیلہ اپنی ابتدا سے ہی یہود و نصاریٰ کے مقاصد پورے کرتا آ رہا ہے۔ پہلی صلیبی جنگ (۱۰۹۹ء) میں علویوں نے شام کی ساحلی پٹی پر صلیبیوں کو قدم جمانے میں مدد دی‘ جس کے نتیجے میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے صلیبیوں نے قبلۂ اول مسلمانوں سے چھین لیا۔ بدلے میں علویوں کو وہ قلعے واپس مل گئے جو اسماعیلیوں نے ان سے چھینے تھے۔ یہ ان کا شام پر قبضے کا پہلا قدم تھا۔ اس کے

بعد اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ مل کر ان کا ہر قدم شام پر قبضہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ۱۲۵۸ء میں جب ہلاکو خان شام پر حملے کی تیاری کر رہا تھا تو یہی علوی تھے جنہوں نے اس کی حمایت حاصل کرنے کے لیے شام پر اُس کا قبضہ مستحکم کرایا۔ اس جرم پر سلطان بیبرس نے نہ صرف انہیں سزا دی بلکہ انہیں اسلام لانے کی دعوت دیتے ہوئے ان کے علاقوں میں مساجد اور مدرسے بنوائے تاکہ یہ اسلام میں داخل ہوسکیں' مگر ابن بطوطہ نے لکھا کہ علویوں نے ان مساجد و مدارس کو باقاعدہ اصطبل میں بدل کر دین کی بے حرمتی کی۔ مسلمان مؤرخین امام ابن کثیر و ابن بطوطہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اسی قبیلے کے ایک شخص نے ۱۳۱۷ء کے لگ بھگ مہدی ہونے کا اعلان کیا' اس کی آڑ میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا اور مسلمان عورتوں کی عزتیں لوٹیں' جس پر مصر کے سلطان الملک الناصر نے نصیریوں کے قتل کا حکم دیا۔

خلافتِ عباسیہ کی طرح خلافتِ عثمانیہ کو بھی یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے' لہٰذا ۱۵۱۴ء میں جنگ چلدران میں عثمانیوں کے مقابلے میں صفویوں کا ساتھ دیا اور جاسوسی کے فرائض سرانجام دیے۔ یہاں تک کہ کئی علوی بھیس بدل کر عثمانی اداروں میں اعلیٰ عہدوں تک پہنچے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ مل کر خلافت عثمانیہ کے خاتمے کی راہ ہموار کی۔ انہی میں سے ایک ''امین وحید آفندی'' تھا جو ۱۸۰۶ء میں فرانس میں عثمانیوں کا سفیر بنا اور یہی وہ شخص تھا جس نے فرانس کو شام پر قبضے کی رغبت دلائی۔ دوسری طرف خلافتِ عثمانیہ کے خلاف اُٹھنے والی ہر بغاوت میں یہ پیش پیش تھے۔ اسی کے نتیجے میں ۱۸۱۷ء میں بھی ترپیولی (لبنان) کے عثمانی گورنر بربر کے ہاتھوں انہیں عبرت ناک سزا ملی۔ لیکن اس کے باوجود ۱۸۲۰ء میں انہوں نے یونانی قبرص کی آزادی کی تحریک میں باقاعدہ یونانیوں کا ساتھ دیا اور خلافت عثمانیہ کے خلاف اقلیتوں کو منظم کرنے میں یونانیوں کے ساتھی رہے۔ انہی سرگرمیوں کی بدولت یہ قبیلہ اور اس کا علاقہ عیسائی دنیا کے لیے پُرکشش بن گیا۔ یہاں تک کہ امریکی عیسائی مشنریوں کی آماجگاہ بن گیا۔ ان عیسائی مشنریوں کے عزائم بھانپتے ہوئے سلطان عبدالحمید دوئم نے ان مشنریوں پر پابندی عائد کر دی اور ۱۸۷۰ء کی دہائی میں علویوں کو ایک بار پھر قومی دھارے میں شامل کرنے کے لیے ان کے علاقوں میں مساجد بنائیں اور مدرسے قائم کیے۔ لیکن ان مساجد اور مدارس کا انجام بھی وہی ہوا جو اس سے پہلے سلطان بیبرس کی کوششوں کا ہو چکا تھا کہ ان میں گھوڑے اور جانور باندھے گئے اور بے حرمتی کی گئی۔

شام پر علوی قبضہ کے راستہ میں اب سب سے بڑی رکاوٹ عثمانی خلافت تھی' لہٰذا

انہوں نے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے لیے یورپ کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۸ء میں فرانس کی فوجیں شام میں داخل ہوگئیں اور علویوں کی مدد سے شام کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۱۹ء میں ۷۳ علوی سرداروں نے فرانسیسی حکومت کو ایک ٹیلی گرام لکھا جس میں فرانس سے وفاداری کی یقین دہانی کراتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ چونکہ ہم مسلمانوں سے الگ قوم ہیں لہٰذا ہمیں الگ ریاست عطا کی جائے۔ چنانچہ جنگ عظیم اول کے خاتمہ پر فرانس و برطانیہ کے مابین بدنام زمانہ ''سائکس پیکو'' معاہدے کے تحت شام کو فرانس کے قبضے میں دے کر اس کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا اور ایک ٹکڑے کا نام ''اللاذقیہ'' رکھ کر اسے علوی ریاست قرار دے دیا گیا۔ اس ٹیلی گرام پر دستخط کرنے والے علوی سرداروں میں موجودہ صدر بشار الاسد کا دادا سلیمان الاسد بھی شامل تھا۔ بعد ازاں فرانس نے شامی علاقوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے ''سیرین سپیشل آرمی'' کے نام سے ایک فوج تشکیل دی جس میں خاص طور پر علویوں کو بھرتی کیا گیا۔ ۱۹۴۶ء میں دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں فرانس کا شام پر قبضہ ختم ہوگیا لیکن فوج وہی رہی جو فرانس نے قائم کی تھی اور اسی فوج کی مدد سے ۱۹۷۱ء میں بالآخر حافظ الاسد شام کے اقتدار پر قابض ہوگیا اور اس کے بعد سے آج تک یہ خاندان شام کی اکثریتی مسلمان آبادی پر کسی بہت بڑے عذاب کی طرح مسلط ہے۔

انسان جھوٹ بول سکتا ہے' لیکن تاریخ کو جھٹلانا بہت مشکل ہے' بلکہ شاید ناممکن ہے۔ شام کی تاریخ سے ہر کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ شام کی تباہی و بربادی کا اصل سبب کیا ہے۔ ہم بھلے امریکہ اور روس کو دوش دیتے رہیں لیکن جب تک آستین کے سانپوں کے سر نہیں کچلے جائیں گے' تب تک ہم دشمنوں کے وار سے بچنے نہیں پائیں گے۔ دشمن کا کام وار کرنا ہے' اپنا دفاع کرنا ہمارا کام ہے اور دفاع اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم اپنے ملک اور قومی ادارے چوروں' لٹیروں' ڈاکوؤں اور غداروں کے حوالے کیے رکھیں گے۔ بدقسمتی سے ایک صدی قبل اسلامی دنیا کو تقسیم کرتے وقت ہر ملک میں مسلمانوں پر ایسے ہی لوگوں کو مسلط کیا گیا ہے۔ جب تک مسلمان ان سے نجات حاصل نہیں کریں گے تب تک اُمت واحدہ کا تصور اور اس کے ایک حصہ کا ''درد'' دوسرے حصے میں محسوس ہونا خواب و خیال بنا رہے گا۔ اُمت کا ایک حصہ اگر جل بھی رہا ہوگا تو دوسرے حصوں میں اس پر بحث ہوتی رہے گی کہ آگ اصلی ہے یا جعلی۔ اس طرح اُمت کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے اگر کچھ اُمیدیں وابستہ بھی ہوں گی تو اُن کا خون ہوتا رہے گا اور اس خون میں کوئی نہ کوئی غوطہ ڈوبتا رہے گا۔ ۞۞۞

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الاَحزَاب

آیات ۵۳ تا ۵۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَکُمۡ اِلٰی طَعَامٍ غَیۡرَ
نٰظِرِیۡنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰکِنۡ اِذَا دُعِیۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَلَا
مُسۡتَاۡنِسِیۡنَ لِحَدِیۡثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ یُؤۡذِی النَّبِیَّ فَیَسۡتَحۡیٖ مِنۡکُمۡ ۫ وَاللّٰهُ لَا
یَسۡتَحۡیٖ مِنَ الۡحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ
ذٰلِکُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِکُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ ؕ وَمَا کَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَلَاۤ
اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِیۡمًا ﴿۵۳﴾ اِنۡ
تُبۡدُوۡا شَیۡـًٔا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَیۡهِنَّ فِیۡۤ
اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ
وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِیۡنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ
شَیۡءٍ شَهِیۡدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
صَلُّوۡا عَلَیۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی
الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا مُّهِیۡنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ
وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۸﴾ ع

آیت ۵۳ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَکُمۡ اِلٰی طَعَامٍ﴾ ’’اے اہلِ ایمان! مت داخل ہو جایا کرو نبیؐ کے گھروں میں مگر یہ کہ تمہیں کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے‘‘

﴿غَیۡرَ نٰظِرِیۡنَ اِنٰىهُ ۙ﴾ ’’نہ انتظار کرتے ہوئے کھانے کی تیاری کا‘‘

اس حوالے سے سورۃ النور کا یہ حکم بھی یاد کر لیں: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَهۡلِهَا ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۷﴾﴾ ’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو‘ حتیٰ کہ مانوس ہو لو (بول چال کر لو) اور گھر والوں کو سلام کر لو‘ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو‘‘۔ یعنی اس وقت تک کسی کے گھر میں داخل مت ہوا کرو جب تک گھر والوں سے بات چیت کر کے انہیں اپنی پہچان نہ کرا لو۔ اس کے بعد سورۃ النور کی اگلی آیت (آیت ۲۸) میں ﴿حَتّٰی یُؤۡذَنَ لَکُمۡ ۚ﴾ (یہاں تک کہ تمہیں اجازت دے دی جائے) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ واضح رہے کہ سورۃ النور کا نزول سورۃ الاحزاب کے ایک سال بعد یعنی ۶ ہجری میں ہوا۔ گویا سب سے پہلے یہ حکم آیت زیر مطالعہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھر کے لیے دیا گیا لیکن بعد میں سورۃ النور کی مذکورہ آیت میں اسے ایک عمومی حکم کا درجہ دے دیا گیا۔

﴿وَلٰکِنۡ اِذَا دُعِیۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا﴾ ’’ہاں جب تمہیں بلایا جائے تب داخل ہوا کرو‘‘

﴿فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِیۡنَ لِحَدِیۡثٍ ؕ﴾ ’’پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جایا کرو اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہا کرو۔‘‘

یعنی اگر کھانے کے لیے بلایا جائے تو وقت سے پہلے ہی آ کر نہ بیٹھ جایا کرو جب کہ ابھی کھانا تیار بھی نہ ہوا ہو۔ پھر جب کھانا کھا لو تو فوراً وہاں سے اٹھ جایا کرو اور وہاں ڈیرہ جما کر نہ بیٹھے رہا کرو کہ اب باہم گفتگو کریں گے اور حضور ﷺ کی باتیں بھی سنیں گے۔

﴿اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ یُؤۡذِی النَّبِیَّ﴾ ’’تمہاری یہ باتیں نبیؐ کے لیے تکلیف کا باعث تھیں‘‘

ظاہر ہے اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں آ کر بیٹھ جائے اور اٹھنے کا نام نہ لے تو گھر والوں کو تکلیف تو ہو گی۔ مگر اس حوالے سے حضور ﷺ کی تکلیف کا ایک خصوصی پہلو یہ بھی تھا کہ آپؐ کے جن گھروں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ دراصل چھوٹے چھوٹے حجرے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آ جاتا اور آپؐ اسے حجرۂ مبارک کے اندر بلا لیتے تو جب تک وہ چلا نہ جاتا حضرت عائشہ ؓ چادر اوڑھے چہرہ دیوار کی طرف کیے بیٹھی رہتیں۔ بہر حال ان حجروں کے اندر اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہاں غیر محرم مرد محفل جما کر بیٹھتے۔

﴿فَیَسۡتَحۡیٖ مِنۡکُمۡ ۫ وَاللّٰهُ لَا یَسۡتَحۡیٖ مِنَ الۡحَقِّ ؕ﴾ ’’مگر وہ (نبی ﷺ) آپ

لوگوں سے جھجک محسوس کرتے ہیں‘ اور اللہ حق (بیان کرنے) سے نہیں جھجکتا۔‘‘

گھروں کے اندر لوگوں کے تا دیر بیٹھنے سے حضور ﷺ کو تکلیف تو ہوتی تھی مگر آپؐ مروّت اور شرافت میں انہیں جانے کا نہیں فرماتے تھے۔

﴿وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ﴾ ’’اور جب تمہیں نبی (ﷺ) کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگا کرو۔‘‘

قرآن حکیم میں اس مقام پر لفظ ’’حجاب‘‘ پہلی بار آیا ہے اور یہ حجاب سے متعلق احکام کے سلسلے کا پہلا حکم ہے‘ جس کا منشا یہ ہے کہ آئندہ حضور ﷺ کے گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے جائیں اور اگر کسی غیر محرم مرد کو اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے کسی سے کوئی کام ہو وہ رُو در رُو نہیں بلکہ پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر بات کرے —— اس آیت کو ’’آیت حجاب‘‘ کہا جاتا ہے —— اس حکم کے بعد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے گئے‘ اور چونکہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی مسلمانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ تھی اور آپؐ کا گھر تمام مسلمانوں کے لیے نمونے کا گھر تھا‘ چنانچہ تمام مسلمانوں کے گھروں کے دروازوں پر بھی پردے لٹک گئے۔

﴿ذٰلِكُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ ؕ﴾ ’’یہ طرزِ عمل زیادہ پاکیزہ ہے تمہارے دلوں کے لیے بھی اور انؓ کے دلوں کے لیے بھی۔‘‘

مرد اور عورت کے درمیان ایک دوسرے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کشش رکھی ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے بہتر طریقہ یہی ہے کہ غیر محرم مردوں کا غیر محرم عورتوں کے ساتھ آمنا سامنا نہ ہو۔

﴿وَمَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ﴾ ’’اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول (ﷺ) کو ایذا پہنچاؤ‘‘

یہاں ایک اہم نکتہ یہ بھی سمجھ لیں کہ اگرچہ معاشرتی اصلاحات کے بارے میں یہ احکام عمومی نوعیت کے ہیں لیکن ان اصلاحات کا آغاز خصوصی طور پر اللہ کے رسول ﷺ کے گھر سے کیا جا رہا ہے۔ اس کا ایک سبب تو وہی ہے جس کا حوالہ انگریزی ضرب المثل charity begins at home میں دیا گیا ہے کہ اچھے کام کی ابتدا اپنے گھر سے ہونی چاہیے۔ جبکہ

دوسری طرف ان اقدامات کو حضور ﷺ کی ذات سے منسوب کر کے منافقین کی شرارتوں کے راستے بند کرنا بھی مقصود تھا جو حضور ﷺ کی ذات اور آپؐ کے گھر والوں کے حوالے سے ہر وقت تاک میں رہتے تھے کہ انہیں کوئی بات ہاتھ آئے اور وہ اس کا بتنگڑ بنائیں۔

﴿وَلَاۤ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا ؕ﴾ ’’اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم نکاح کرو آپؐ کی بیویوں سے آپؐ کے بعد کبھی بھی۔‘‘

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے خصوصی تقدس کا ذکر قبل ازیں آیت ۶ میں ﴿وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ ؕ﴾ (اور نبی ﷺ کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں) کے الفاظ میں بھی آ چکا ہے‘ مگر یہاں پر صراحت کے ساتھ اس تقدس کو باقاعدہ قانونی حیثیت دے دی گئی۔ دراصل حضور ﷺ کو آیت ۵۰ میں طلاق کا اختیار استعمال کرنے سے منع کرنے میں بھی یہی حکمت تھی کہ خدانخواستہ اگر آپؐ اپنی کسی زوجہ محترمہ کو طلاق دیتے تو وہ کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔ اور طلاق کی گنجائش نہ ہونے ہی کی وجہ سے آپ ﷺ کو ازواج کی تعداد کے معاملے میں خصوصی رعایت دی گئی۔

﴿اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ۝۵۳﴾ ’’یقیناً اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔‘‘

چنانچہ اگر کسی خبیث کی نیت میں کہیں کوئی فتور جنم لے رہا تھا تو اس پر واضح ہو جائے کہ یہ دروازہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔

آیت ۵۴ ﴿اِنۡ تُبۡدُوۡا شَيۡـًٔـا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ۝۵۴﴾ ’’خواہ تم کسی چیز کو ظاہر کرو خواہ چھپاؤ‘ اللہ یقیناً ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔‘‘

آیت ۵۵ ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيۡهِنَّ فِىۡۤ اٰبَآئِهِنَّ﴾ ’’کوئی حرج نہیں اُن (ازواجِ نبیؐ) پر اُن کے باپوں کے معاملے میں‘‘

جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر چاہیں تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آئیں یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آئیں‘ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

﴿وَلَاۤ اَبۡنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخۡوَانِهِنَّ﴾ ’’اور نہ (کوئی حرج ہے) اُن کے بیٹوں کے

بارے میں‘ اور نہ ان کے بھائیوں کے بارے میں‘‘

﴿وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ﴾ ’’اور نہ ان کے بھائیوں کے بیٹوں کے بارے میں اور نہ ان کی بہنوں کے بیٹوں کے بارے میں‘‘

﴿وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ﴾ ’’اور نہ ان کی جان پہچان کی عورتوں کے بارے میں اور نہ ہی ان کی مِلکِ یمین کے بارے میں۔‘‘

لغوی مفہوم کے اعتبار سے ’’مِلکِ یمین‘‘ میں غلام اور باندیاں سب شامل ہیں‘ لیکن اکثر وبیشتر اہل سنت علماء کے نزدیک یہاں اس سے صرف باندیاں مراد ہیں۔

اس آیت میں واضح طور پر عورتوں کے لیے محرم مَردوں کی ایک فہرست فراہم کر دی گئی ہے‘ جیسے کہ سورۃ النساء کی آیت ۲۳ میں مَردوں کے لیے محرم عورتوں کی فہرست دی گئی ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ اس مضمون کا مرکزی نقطہ (nucleus) زیر نظر آیت میں ہے‘ جبکہ سورۃ النساء کی مذکورہ آیت میں اس کی مزید تفصیل فراہم کر کے ’’محرماتِ ابدیہ‘‘ کی فہرست کو مکمل کر دیا گیا ہے جن سے کبھی بھی کسی صورت میں بھی نکاح جائز نہیں ہے۔

بہرحال آیت میں مذکور رشتوں کے علاوہ متعلقہ عورتوں کے لیے باقی تمام مرد غیر محرم ہیں اور انہیں گھر کے اندر زنان خانے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی غیر محرم مرد کو گھر کی کسی خاتون سے کوئی بات کرنی ہو تو وہ پردے کے پیچھے رہ کر بات کرے اور اگر کسی وجہ سے کسی غیر محرم مرد کا گھر کے اندر داخلہ ناگزیر ہو تو بھی اہتمام کیا جائے کہ کسی خاتون سے اس کا سامنا نہ ہو۔ اسلامی طرزِ معاشرت کا یہی طریقہ ہے۔ اس حوالے سے قبل ازیں آیت ۵۳ کی تشریح کے ضمن میں حضرت عائشہ ؓ کی مثال بیان ہو چکی ہے کہ اگر حضور ﷺ کسی شخص کو حجرہ مبارک کے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرماتے تو علیحدہ جگہ نہ ہونے کے باعث حضرت عائشہ ؓ ایک کونے میں دیوار کی طرف رخ کیے بیٹھی رہتی تھیں تاوقتیکہ وہ صاحب چلے جاتے۔

﴿وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝۵۵﴾ ’’اور (اے نبیؐ کی بیویو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔‘‘

آیت ۵۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ﴾ ’’یقیناً اللہ اور اُس کے فرشتے

رحمتیں نازل کرتے ہیں نبی (ﷺ) پر۔‘‘

اس سے پہلے آیت ۴۳ میں مؤمنین کے بارے میں فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے فرشتے اہل ایمان پر رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ یہاں پر بھی وہی الفاظ آئے ہیں لیکن الفاظ کی ترتیب مختلف ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶﴾ ’’اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر رحمتیں اور سلام بھیجا کرو۔‘‘

یعنی تم حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجا کرو اور دعا کرتے رہا کرو کہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

آیت ۵۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کو‘‘

یہ منافقین کا ذکر ہے۔ بعض دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس سورۂ مبارکہ میں بھی منافقین کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔

﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۵۷﴾ ’’اللہ نے لعنت کی ہے ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں اور ان کے لیے اُس نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

آیت ۵۸ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا﴾ ’’اور وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو‘‘

ان پر بے جا الزام لگاتے ہیں‘ بہتان تراشی کرتے ہیں اور اس طرح کے دوسرے حربوں سے انہیں اذیت پہنچاتے ہیں۔

﴿فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۸﴾ ’’تو انہوں نے اپنے سر بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ لے لیا ہے۔‘‘

واضح رہے کہ اس آیت کے نزول تک ’’قذف‘‘ (زنا سے متعلق جھوٹی تہمت لگانا) کی سزا کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے یہاں صرف اس جرم کی سنگینی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے‘

البتہ سورۃ النور کی آیت ۴ میں قذف کی حد ۸۰ کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان خاتون پر زنا کا الزام لگائے اور اس پر موقع کے چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کو سزا کے طور پر ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے۔

آیات ۵۹ تا ۶۲

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

اگلی آیات میں پردے سے متعلق مزید احکام دیے جا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ گزشتہ آیات میں اس حوالے سے ہم دو احکام پڑھ چکے ہیں۔ ان میں پہلا حکم یہ تھا کہ عورتوں کا اصل مقام ان کا گھر ہے' وہ گھروں میں رہ کر اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور بلاضرورت گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ جبکہ دوسرا حکم مردوں اور عورتوں کے باہمی میل جول پر پابندی سے متعلق تھا کہ غیر محرم مردوں کو دوسروں کے گھروں میں داخلے کی اجازت نہیں۔ اگر ضرورت کے تحت کسی مرد کو کسی غیر محرم خاتون سے کوئی بات کرنی ہو تو رُو در رُو نہیں' بلکہ پردے کے پیچھے رہ کر بات کرے۔ اب اگلی آیت میں اس سلسلے کا تیسرا حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان خواتین اگر کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلیں تو کس انداز سے نکلیں۔

آیت ۵۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں' اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان خواتین سے کہہ دیں کہ''

گویا اب اصلاحات کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس حکم میں کاشانۂ نبوت کی خواتین کے علاوہ عام مسلمان خواتین کو بھی شامل کر لیا گیا اور حضور ﷺ کی وساطت سے انہیں حکم دیا گیا:

﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ﴾ ''وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا

لیا کریں۔''

اس حکم کے متوازی سورۃ النور کی آیت ۳۱ کے یہ الفاظ بھی ذہن میں تازہ کر لیں:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠﴾ ''اور وہ ڈالے رکھیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر''۔ سورۃ النور کے مطالعے کے دوران اس آیت کے حوالے سے یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ اسلام سے قبل بھی عرب خواتین کے ہاں اوڑھنی اور چادر کے استعمال کا رواج تھا۔ اس حوالے سے ان کے ہاں ''اوڑھنی'' تو گویا لباس کا مستقل جزو تھا جسے خواتین گھر کے اندر بھی اوڑھے رکھتی تھیں (جیسے کہ ہمارے ہاں بھی اکثر عورتیں دوپٹہ یا اوڑھنی ہر وقت اوڑھے رکھتی ہیں) جبکہ خاندانی شریف خواتین گھر سے باہر جاتے ہوئے ایک بڑی سی چادر لپیٹ کر نکلتی تھیں۔ جتنے اونچے خاندان سے کسی خاتون کا تعلق ہوتا اسی قدر زیادہ احتیاط سے وہ چادر کا اہتمام کرتی تھی۔ البتہ عرب خواتین کے ہاں قبل از اسلام چہرہ ڈھانپنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔

چنانچہ اس حکم کے تحت خواتین کے چادر اوڑھنے کے مروّجہ طریقہ پر یہ اضافہ کیا گیا کہ خواتین گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے چہرے پر بھی ڈال لیا کریں' یعنی گھونگھٹ لٹکا لیا کریں۔ اسی حکم کی بنا پر خواتین کے نقاب کرنے کا تصور پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ آج بھی ہمارے دیہات میں خواتین گھر سے باہر چادر سے اپنا چہرہ چھپائے ہوئے نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر پختون کلچر میں زیادہ تر خواتین نقاب کا اہتمام کرتی ہیں یا بڑی سی چادر اس طرح لپیٹ لیتی ہیں کہ بس ایک آنکھ کھلی رہتی ہے۔ ایران کے دیہاتی ماحول میں بھی اس کا رواج دیکھا گیا ہے' البتہ ایرانی شہروں میں صورت حال بالکل مختلف ہے۔ بلکہ وہاں اصولی طور پر گویا طے کر لیا گیا ہے کہ پردے کے حکم میں چہرہ شامل نہیں ہے' حالانکہ یہ بات قرآن کی رو سے غلط ہے۔

چہرے کے پردے کے حوالے سے آیت ۵۳ میں ﴿فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ﴾ کے الفاظ خصوصی طور پر توجہ طلب ہیں کہ پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی پابندی کا آخر مقصد کیا ہے۔ کیا خدانخواستہ ازواجِ مطہرات ؓ گھر کے اندر اوڑھنی کے بغیر ہوا کرتی تھیں؟ اور اگر ایسا نہیں تھا تو پھر غیر محرم مردوں کو اس قدر اہتمام کے ساتھ پردے کے پیچھے سے بات کرنے کا حکم آخر کیوں دیا گیا ہے؟ بہر حال بلاتعصب غور کرنے سے یہ حقیقت واضح

ہو جاتی ہے کہ اس حکم کے ذریعے دراصل چہرے کے پردے کا اہتمام کیا گیا ہے تاکہ کسی غیر محرم مرد کی نظر ان کے چہرے پر نہ پڑے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا گیا کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اپنی چادریں اچھی طرح اوڑھ لپیٹ کر اُن کا ایک حصہ یا ان کا پلّو اپنے چہروں پر ڈال لیا کریں، جسے عرفِ عام میں گھونگھٹ لٹکانا کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں ’’جَلَابِیب‘‘ کا لفظ آیا ہے جو ’’جِلباب‘‘ کی جمع ہے اور جِلباب کے معنی بڑی چادر کے ہیں۔ اس کے مقابل سورۃ النور کی آیت ۳۱ میں لفظ خُمُر استعمال ہوا ہے، جس کا واحد خِمار ہے اور اس سے چھوٹی اوڑھنی مراد ہے، جسے گھر کے اندر ہر وقت اوڑھا جاتا ہے۔ ’’جِلباب‘‘ کی تشریح اہلِ لغت نے یوں کی ہے: ’’ھو الرداء فوق الخمار‘‘ یعنی جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو اوڑھنی کے اوپر لی جاتی ہے۔

﴿ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ﴾ ’’یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ وہ پہچان لی جائیں تو انہیں کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے۔‘‘

تاکہ دیکھنے والے خود بخود پہچان لیں کہ کوئی خاندانی شریف خاتون جا رہی ہے۔ عرب کے اس ماحول میں لونڈیاں بغیر چادر کے کھلے عام پھرتی تھیں۔ اہل ایمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے لباس میں لونڈیوں سے مشابہ بن کر گھروں سے نہ نکلیں کہ ان کے چہرے اور سر کے بال کھلے ہوں، بلکہ اپنے چہروں پر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں تاکہ کوئی فاسق یا منافق ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ کرے۔

﴿وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۹﴾﴾ ’’اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۶۰ ﴿لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ﴾ ’’اگر باز نہ آئے یہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے‘‘

﴿وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ﴾ ’’اور جو مدینہ میں سنسنی پھیلانے والے ہیں‘‘

منافقین کی عادت بن گئی تھی کہ وہ ماحول میں سنسنی پھیلانے کے لیے طرح طرح کی مَن گھڑت ہیجان انگیز افواہیں پھیلاتے رہتے تھے۔ ان افواہوں سے ان کا مقصد مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنا اور ان کی اخلاقی ساکھ کو گرانا ہوتا تھا۔ انہیں خبردار کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ

اگر یہ لوگ ان حرکات سے باز نہ آئے:

﴿لَنُغْرِیَنَّکَ بِہِمْ﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) ہم آپ کو ان پر اُکسا دیں گے‘‘

ہم آپؐ کو ان کے خلاف بھرپور اور مؤثر اقدام کرنے کی اجازت دے دیں گے اور آپؐ کے ہاتھوں انہیں سزا دلوائیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْہَآ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾﴾ ’’پھر وہ آپؐ کے پڑوسی بن کر اس (شہر) میں نہیں رہ سکیں گے مگر بہت تھوڑا عرصہ۔‘‘

آیت ۶۱ ﴿مَّلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾﴾ ’’یہ پھٹکارے ہوئے لوگ ہیں، جہاں بھی پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور بُری طرح قتل کر دیے جائیں گے۔‘‘

یہ الفاظ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی شدید بیزاری اور ناراضی کا مظہر ہیں مگر حضور ﷺ کی سیرت سے منافقین کے خلاف ایسا کوئی اقدام ثابت نہیں ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو ایسا کوئی حکم باقاعدہ طور پر نہیں دیا گیا تھا۔

آیت ۶۲ ﴿سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ’’اللہ کی یہی سُنّت رہی ہے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو پہلے گزر چکے ہیں۔‘‘

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾﴾ ’’اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی۔‘‘

آیات ۶۳ تا ۶۸

یَسْـَٔلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَۃِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُہَا عِنْدَ اللّٰہِ ؕ وَمَا یُدْرِیْکَ
لَعَلَّ السَّاعَۃَ تَکُوْنُ قَرِیْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَعَنَ الْکٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَہُمْ سَعِیْرًا ﴿۶۴﴾
خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ۚ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۶۵﴾ یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْہُہُمْ فِی
النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا
سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِہِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ
وَالْعَنْہُمْ لَعْنًا کَبِیْرًا ﴿۶۸﴾

آیت ۶۳ ﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔‘‘

﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔‘‘

﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾﴾ ’’اور تمہیں کیا معلوم‘ شاید کہ قیامت قریب ہی آ چکی ہو۔‘‘

آیت ۶۴ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾﴾ ’’بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔‘‘

آیت ۶۵ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ﴾ ’’وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔‘‘

﴿لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾﴾ ’’نہیں پائیں گے وہ کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔‘‘

آیت ۶۶ ﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ﴾ ’’جس دن ان کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے‘‘

﴿يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾﴾ ’’(اس وقت) وہ کہیں گے: ہائے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور اطاعت کی ہوتی رسولؐ کی!‘‘

آیت ۶۷ ﴿وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾﴾ ’’اور کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیا۔‘‘

آیت ۶۸ ﴿رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾﴾ ’’اے ہمارے پروردگار! تو ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر لعنت فرما‘ بہت ہی بڑی لعنت۔‘‘

آیات ۶۹ تا ۷۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

آیت ۶۹ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى﴾ ’’اے اہلِ ایمان! تم اُن لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰؑ کو اذیت دی تھی‘‘

﴿فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾﴾ ’’تو اللہ نے اُس کو بری ثابت کر دیا اس بات سے جو انہوں نے کہی تھی‘ اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے مرتبے والا تھا۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف سے کئی طرح کی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سورۃ الصّف میں آپؑ کے وہ الفاظ نقل ہوئے ہیں جو آپؑ نے اپنی قوم کے طرزِ عمل پر شکوہ کرتے ہوئے فرمائے تھے: ﴿يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ﴾ (آیت ۵) ’’اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو درانحالیکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں!‘‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے سب سے بڑی اذیت کا سامنا اُس وقت کرنا پڑا جب آپؑ نے قوم کو اللہ کے راستے میں قتال کرنے کا حکم دیا تو سوائے دو اشخاص کے پوری قوم نے انکار کر دیا۔ قوم کے اس طرزِ عمل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کوفت اور اذیت محسوس کی اس کا اندازہ اس دعا سے کیا جا سکتا ہے جو آپؑ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے کی: ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾﴾ (المائدۃ) ’’انہوںؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے تو اختیار نہیں ہے سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی (ہارونؑ کی جان) کے‘ تو اب تفریق کر دے ہمارے اور ان نابنجار لوگوں کے درمیان۔‘‘

اس کے علاوہ آپؑ پر ذاتی نوعیت کا ایک الزام لگا کر بھی آپؑ کو سخت اذیت پہنچائی گئی۔ اس حوالے سے احادیث میں ایک واقعہ بہت تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر مرد اپنے ستر کو چھپانے کا خاص اہتمام نہیں کرتے تھے اور

سرِعام برہنہ نہانے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بارے میں غیر معمولی طور پر احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس پر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آپؑ جسمانی طور پر کسی عیب یا مرض میں مبتلا ہیں جس کو چھپانے کے لیے آپؑ اس قدر شرم وحیا کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ترکیب کے ذریعے لوگوں پر واضح کر دیا کہ ان کا یہ الزام جھوٹا اور بے بنیاد تھا۔

سورۃ النور میں ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی طرف سے بہتان تراشی کا وہ واقعہ بھی پڑھ چکے ہیں جو حضور ﷺ کے لیے سخت اذیت کا باعث بنا تھا۔ چنانچہ یہاں تمام افرادِ اُمت کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ دیکھو! تم بھی کہیں بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مختلف طریقوں سے تنگ کیا کرتے تھے۔ تمہارا کوئی عمل یا قول ایسا نہیں ہونا چاہیے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچے۔

آیت ۷۰ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ﴿۷۰﴾﴾ ”اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور بات کیا کرو سیدھی۔“

چونکہ اس سے پہلے کی آیات میں عام گھریلو زندگی کے معاملات سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں‘ چنانچہ اس سیاق وسباق میں اس حکم کا مفہوم یہ ہوگا کہ اپنے گھریلو معاملات میں بھی تم لوگ تقویٰ کی روش اپنائے رکھو اور اپنی زبان کے استعمال میں محتاط رہو۔ یعنی اپنے اہل وعیال کے ساتھ گفتگو میں بھی راست گوئی اور راست بازی کا خیال رکھو۔

آیت ۷۱ ﴿یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ﴾ ”اللہ تمہارے سارے اعمال درست کر دے گا اور تمہاری خطائیں بخش دے گا۔“

اگر بھول کر یا جذبات کی رو میں تم سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تو اللہ اسے معاف کر دے گا۔

﴿وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ﴿۷۱﴾﴾ ”اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر کاربند ہو گیا تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔“

یہاں کامیابی کا معیار بیان کر دیا گیا کہ اہل ایمان کی کامیابی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں ہے۔

اس سورت کی یہ دو آیات (آیت ۷۰ اور ۷۱) حضور ﷺ خطبہ نکاح میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ یہاں ضمنی طور پر یہ بھی جان لیں کہ ان دو آیات کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات بھی

خطبہ نکاح میں شامل ہیں: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾﴾ (النساء)۔ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَ لَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ (آل عمران) —— خطبۂ نکاح میں مذکورہ چار آیات کا لُبِّ لُباب ”تقویٰ“ ہے۔

آیت ۷۲ ﴿اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ﴾ ”ہم نے اس امانت کو پیش کیا آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر“

﴿فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا﴾ ”تو ان سب نے انکار کر دیا اس کو اٹھانے سے اور وہ اس سے ڈر گئے“

﴿وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا ﴿۷۲﴾﴾ ”اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ یقیناً وہ بڑا ظالم اور بڑا نادان تھا۔“

یعنی انسان نے ایک بھاری ذمہ داری قبول کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور بڑی نادانی کا ثبوت دیا۔ مذکورہ امانت کے بارے میں بہت سی آراء ہیں اور ہر رائے کے بارے میں مفسرین نے اپنے اپنے دلائل بھی دیے ہیں۔ یہاں ان تمام آراء کا ذکر کرنا اور ایک ایک کے بارے میں دلائل کا جائزہ لینا تو ممکن نہیں‘ البتہ اس حوالے سے میں اپنی رائے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے پورا وثوق ہے۔ میرے نزدیک اللہ کی امانت سے مراد یہاں وہ ”روح“ ہے جو انسان کے حیوانی وجود میں اللہ تعالیٰ نے بطور خاص پھونک رکھی ہے۔ انسان کا مادی وجود عالمِ خلق کی چیز ہے‘ جبکہ ”روح“ کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ (عالمِ خلق اور عالم امر کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۃ الاعراف‘ تشریح آیت ۵۴)۔ اللہ تعالیٰ نے عالمِ امر کی اس ”امانت“ کو عالمِ خلق کے مادی اور حیوانی وجود کے اندر رکھتے ہوئے اسے خاص اپنی طرف منسوب فرمایا ہے: ﴿وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ﴾ (سورۃ الحجر: ۲۹ اور سورۂ ص: ۷۲)۔ چنانچہ اسی روح کی بنا پر انسان مسجودِ ملائک ٹھہرا‘ اسی کے باعث اسے خلافت کا اعزاز ملا اور اسی کی وجہ سے انسان کا سینہ ”مہبطِ وحی“ بنا۔

وحی کا تعلق چونکہ عالمِ امر سے ہے اور وحی کا حامل فرشتہ بھی عالم امر کی مخلوق ہے‘ اس لحاظ سے انسان اپنے مادی وجود کے ساتھ فرشتے کے ذریعے وحی کو وصول کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا

تھا۔ لہٰذا یہ روح ہی ہے جس نے اسے نزولِ وحی کے تجربے کو برداشت کرنے کے قابل بنایا۔ جنّات کے اندر چونکہ یہ روح نہیں ہے اس لیے وہ وحی کے حصول (reception) کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ جنّات کے ہاں کوئی نبی نہیں آیا اور ان کے لیے نبوت کے حوالے سے انسانوں (انبیاء) کی پیروی لازم قرار پائی۔

اس نکتے کو مزید اس طرح سمجھئے کہ یہاں ''ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا'' کے الفاظ میں انسان کے حیوانی وجود کی اس کمزوری کا ذکر ہوا ہے جو اس کے اندر روح پھونکے جانے سے پہلے پائی جاتی تھی۔ اسی کمزوری کو سورۃ الانبیاء کی آیت ۳۷ میں ﴿خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ﴾ اور سورۃ النساء میں ﴿وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ﴿۲۸﴾﴾ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ کمزوری بہرحال ''نفخ روح'' سے پہلے کے انسان میں تھی۔ لیکن روحِ ربانی کی امانت ودیعت ہو جانے کے بعد اس کا رتبہ اس قدر بلند ہوا کہ وہ مسجودِ ملائک بن گیا۔ انسانی تخلیق کے ان دونوں مراحل کا ذکر سورۃ التین میں یوں فرمایا گیا ہے: ﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ﴿۵﴾﴾ ''یقیناً ہم نے پیدا کیا انسان کو بہترین شکل وصورت میں۔ پھر ہم نے اس کو لوٹا دیا نچلوں میں سب سے نیچے۔'' یعنی جب ارواح کی صورت میں انسانوں کو پیدا کیا گیا تو وہ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کے مرتبے کی مخلوق تھی' مگر جب اسے دنیا میں بھیجا گیا تو یہ اپنے جسدِ حیوانی کی کمزوریوں کے سبب جنّات سے بھی نیچے چلا گیا۔

بہرحال میرے نزدیک یہاں جس امانت کا ذکر ہوا ہے وہ انسان کی روح ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جسدِ خاکی میں رکھی گئی ہے اور یہی وہ امانت ہے جس کی بنا پر اس کا احتساب ہوگا۔ جس انسان نے اس امانت کا حق ادا کیا وہ آخرت میں: ﴿فَرَوۡحٌ وَّ رَیۡحَانٌ ۬ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِیۡمٍ ﴿۸۹﴾﴾ (الواقعہ) سے نوازا جائے گا۔ یعنی اس کے لیے راحت اور خوشبو اور نعمتوں کے باغ کی ضیافت ہوگی۔ اس کے برعکس جو کوئی حیوانی خواہشات وداعیات کا اتباع کرتا رہا اور یوں اس امانت میں خیانت کا مرتکب ہوا وہ گویا حیوان ہی بن کر رہ گیا۔ چنانچہ اس کو وہاں ﴿فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ ﴿۹۳﴾ وَّ تَصۡلِیَۃُ جَحِیۡمٍ ﴿۹۴﴾﴾ (الواقعہ) کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یعنی آخرت میں کھولتے پانی کی مہمانی اور جہنم کے عذاب کی زندگی اس کی منتظر ہوگی۔

آیت ۷۳ ﴿لِّیُعَذِّبَ اللّٰہُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ الۡمُشۡرِکٰتِ﴾

''تاکہ اللہ عذاب دے منافق مَردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مَردوں اور مشرک عورتوں کو''

﴿وَ یَتُوۡبَ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ﴾ ''اور اللہ رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر۔''

آیت کے الفاظ میں ''توبہ قبول فرمائے'' یا ''توبہ کی توفیق عطا فرمائے'' کا مفہوم بھی موجود ہے۔

﴿وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۷۳﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

سورۃ الاحزاب مکی مدنی سورتوں کے چوتھے گروپ کی آخری سورت ہے۔ اس گروپ میں آٹھ مکیات (سورۃ الفرقان' سورۃ الشعراء' سورۃ النمل' سورۃ القصص' سورۃ العنکبوت' سورۃ الروم' سورۂ لقمان' سورۃ السجدۃ) اور ایک مدنی سورت (سورۃ الاحزاب) شامل تھی۔ اس کے بعد مکی مدنی سورتوں کا پانچواں گروپ ۱۳ مکی اور تین مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ یہاں پر ضمنی طور پر مدنی سورتوں کی موجودہ ترتیب اور ترتیب نزولی کے بارے میں چند معلومات بھی نوٹ کر لیں۔ مصحف کی ترتیب میں سورۃ البقرۃ سے لے کر سورۃ الاحزاب تک تمام مدنی سورتیں طویل ہیں۔ لیکن سورۃ الاحزاب کے بعد اکثر مدنی سورتیں ۲ رکوعوں پر مشتمل ہیں یا زیادہ سے زیادہ کسی کے چار رکوع ہیں۔ اب تک پڑھی جانے والی مدنی سورتوں کی ترتیب نزولی اس طرح ہے: پہلے سورۃ البقرۃ' پھر سورۃ الانفال' پھر سورۂ آل عمران' پھر سورۃ النساء' پھر سورۃ الاحزاب' پھر سورۃ النور اور آخر میں سورۃ المائدۃ۔ جبکہ چھوٹی مدنی سورتیں مذکورہ طویل سورتوں کے بین بین میں نازل ہوتی رہی ہیں۔ جیسے سورۃ الصف سورۃ الاحزاب کے متصلاً بعد نازل ہوئی اور سورۂ محمدؐ سورۃ البقرۃ کے فوراً بعد' لیکن غزوۂ بدر سے پہلے نازل ہوئی۔

❁❁❁

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۴)

حکمتِ قرآنی کی اساسات
اور حقیقت واقسامِ شرک

شجاع الدین شیخ ☆

آج کا درسِ قرآن سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی آیات ۱۲ تا ۱۹ پر مشتمل ہے۔ درس کا عنوان ہے: ''مقامِ عزیمت اور حکمتِ قرآنی کی اساسات'' جب کہ اس کے ذیل میں ''حقیقت واقسامِ شرک'' کے موضوع پر بھی قدرے تفصیل سے گفتگو کی جائے گی۔ سب سے پہلے ان آیات کا ایک رواں ترجمہ سمجھ لیں' تاکہ پورے رکوع کے مضامین بیک وقت ہماری نگاہوں کے سامنے آ جائیں:

''اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا فرمائی کہ شکر کر اللہ کا' اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کو' اور جو کوئی کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی ہے (بے نیاز ہے' اور وہ آپ ہی اپنی ذات میں محمود ہے)' ستودہ صفات ہے۔ اور یاد کرو جب کہ لقمان نے کہا اپنے بیٹے سے اور وہ اسے نصیحت کر رہے تھے کہ اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا' یقیناً شرک بہت بڑا ظلم (اور بہت بڑی ناانصافی) ہے۔ اور ہم نے انسان کو وصیت کی ہے اُس کے والدین کے بارے میں۔ اٹھائے رکھا اُسے اس کی والدہ نے کمزوری پر کمزوری جھیل کر' اور اس کا دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں' کہ کر شکر میرا اور اپنے والدین کا' پھر میری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لیے تیرے پاس کوئی علم نہیں ہے تو اُن کا کہنا مت مان اور دنیا میں ان کے ساتھ رہ معروف طور پر' اور پیروی کر اُس کے

☆ امیر تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی

راستے کی جس نے اپنا رُخ میری طرف کر لیا ہو۔ پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے اور میں تمہیں بتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ اے میرے بچے! خواہ وہ (یعنی نیکی یا بدی) رائی کے دانے کے ہم وزن ہو' اور خواہ وہ کسی چٹان میں ہو' خواہ آسمانوں میں ہو اور خواہ زمین میں ہو' اللہ اُسے لے آئے گا۔ بے شک اللہ بہت باریک بین ہے' بہت باخبر ہے۔ اے میرے بچے! نماز قائم رکھ' نیکی اور بھلائی کا حکم دے' بدی اور برائی سے روک اور پھر صبر کر اُس پر کہ جو تجھ پر بیتے۔ یقیناً یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور اپنی گردن کو ٹیڑھا نہ کر (کج رُخی اختیار نہ کر) لوگوں کے لیے اور زمین میں اکڑ کر مت چل۔ اللہ کو مغرور لوگ اور شیخی خورے بالکل پسند نہیں۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ' اس لیے کہ تمام آوازوں میں سب سے بڑھ کر ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔''

حضرت لقمان کا تعارف

ان آیات میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصائح کا تذکرہ ہے۔ حضرت لقمان کی شخصیت کے حوالے سے مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ وہ یمن کے بادشاہ تھے جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ سوڈان کے حبشی النسل غلام تھے۔ واللہ اعلم! بہرحال تمام اہلِ علم کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ وہ نبی نہیں تھے' لیکن ان کے کسی نبی کے پیروکار ہونے پر بھی اختلاف ہے۔ بالفرض ان تک کسی نبی کی دعوت نہیں بھی پہنچی' تاہم قرآن حکیم انہیں ایک حکیم اور دانا انسان کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اہل عرب حضرت لقمان کے اقوالِ زریں سے واقف تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو جو قیمتی نصیحتیں کیں' انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نقل فرمایا ہے۔

سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت یعنی آیت ۱۲ میں حضرت لقمان کا تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ......﴾ ''یقیناً ہم نے لقمان کو دانائی دی ......''۔ ''حکمت'' قرآن کریم کا ایک بڑا قیمتی لفظ ہے اور یہ عطیۂ خداوندی ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۶۹) میں ارشاد ہوا:

﴿يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ﴾

''وہ (اللہ) جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے' اور جسے حکمت دے دی گئی پس اسے تو

بہت بڑی بھلائی دے دی گئی۔‘‘

حکمت کی اصطلاح پر غور کریں تو اس کے مفاہیم کے خزانے ہم پر کھلتے ہیں۔ حکمت کے لغوی معنی دانائی کے ہیں۔ تاہم اصطلاحی طور پر اس کے معنی شعورِ انسانی کی پختگی کے ہیں۔ گویا حکمت سے مراد وہ بصیرتِ باطنی ہے جس کے ذریعے اشیاء کی حقیقت کو دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں توحید کی دعوت اور تعارف رکھا ہوا ہے اور انسانی فطرت میں آخرت کی ضرورت کا احساس بھی موجود ہے‘ چنانچہ فطرت ہماری روح کی ترجمانی ہے۔

شکر: حکمت کا لازمی نتیجہ

حکمت کی روشنی میں عقل کا استعمال انسان کو اشیاء کی حقیقت کا علم دیتا ہے اور اس کا نتیجہ کیا نکلنا چاہیے‘ آیت کے اگلے حصے میں اس کی طرف نشان دہی کی گئی ہے: ﴿اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ ط وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ ج﴾ ’’کہ شکر کر اللہ کا‘ اور جو کوئی بھی شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لیے ہی شکر کرتا ہے‘‘۔ یعنی حکمت کا نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بن جائے۔ جب انسان غور و فکر کرتا ہے تو اسے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق کو پہچان کر اس کے احسانات کا ادراک کرے اور اس کی شکر گزاری کی روش اختیار کرے۔ گویا حکمت کا لازمی نتیجہ شکرِ الٰہی ہے۔

اہلِ علم نے شکر کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ شکر نعمت کو یاد رکھنے اور اس کے اظہار یعنی ردِعمل کا نام ہے۔ پھر شکر کے اظہار کے تین درجات بیان کیے گئے ہیں: شکر بالقلب‘ شکر باللسان اور شکر بالجوارح۔ یعنی دل سے نعمت کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھنا‘ زبان سے شکر کے کلمات مثلاً الحمد للہ وغیرہ اور نبی اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی دعاؤں کا اہتمام کرنا اور پھر اپنے پورے وجود سے اللہ کی عطا کردہ نعمت کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کرنا اور اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کرنا۔ جیسے ہی شکر کا جذبہ بندے میں پیدا ہوگا وہ اللہ کی بندگی میں آگے بڑھے گا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ شکر کا فائدہ خود انسان کو ملتا ہے‘ اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں۔ سورۃ ابراہیم (آیت ۷) میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ﴾ ’’اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہیں مزید (نعمتیں) عطا فرمائیں گے‘‘۔ شکر کے نتیجے میں انسانی شخصیت کی صحیح رخ پر تعمیر ہوتی ہے‘ بایں طور کہ اگر شکر کا جذبہ ہوگا تو ایک باوقار شخصیت سامنے آئے گی۔ ترمذی کی

روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ)) ’’وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا (ان کے احسانات پر) شکر گزار نہیں ہوتا۔‘‘

زیر مطالعہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا بیان ہے اور اس سے قبل کفر کا لفظ بھی آیا ہے: ﴿وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾﴾ ’’اور جو کوئی کفرانِ نعمت کی روش اختیار کرتا ہے تو اللہ غنی ہے‘ ستودہ صفات ہے‘‘۔ پہلے ہم ’’کفر‘‘ کے لفظ کو تین اعتبارات سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کفر کے معنی ہیں: چھپانا یا انکار کرنا۔ چھپانے سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ کی دعوت پیغمبر کے ذریعے سے آئے اور بندہ اس کو رد کرے تو یہ اندر کی حقیقت کو چھپانا بھی ہے اور انکار کرنا بھی۔

’’کفر‘‘ کا لفظ جب ’’شکر‘‘ کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے تو اس کا ترجمہ ہم ’’ناشکری‘‘ کریں گے‘ اور ناشکری کی وجہ تکبر ہے کہ انسان یہ ادراک نہ کرے کہ یہ اللہ کی عطا ہے اور اپنے آپ کو سب کچھ سمجھنا شروع کر دے۔ اس کے نتیجے میں وہ فاسق و فاجر یعنی گناہ گار بنتا ہے۔ کفر کا لفظ جب اسلام کے مقابلے میں آتا ہے تو یہ قانونی سطح پر کفر ہے اور اس کے نتیجے میں انسان قانونی سطح پر کافر قرار دیا جائے گا۔ اس کا سبب تعصب ہوتا ہے۔ مثلاً ابوجہل کہتا تھا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو رسول مان لوں تو یہ بڑے ہو جائیں گے اور میں چھوٹا ہو جاؤں گا‘ لہٰذا وہ کافر کہلایا۔ جب کفر ایمان کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے تو یہ حقیقی کفر کہلاتا ہے‘ یعنی بندہ عملاً کفر کر رہا ہے گو وہ دل سے کفر نہیں کر رہا۔ اس کی وجہ دنیا کی محبت ہوتی ہے۔ دنیا کی محبت میں ڈوب کر بندہ اللہ کے احکامات پر عمل نہیں کرتا۔

اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات آئی ہیں۔ پہلی صفت ’’غنی‘‘ یعنی وہ خود مکتفی ہے اور کسی کا محتاج نہیں۔ اس صفت کا حقیقی اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ پر ہوتا ہے۔ دوسری صفت ’’حمید‘‘ ہے‘ یعنی وہ ہستی جس کی از خود تعریف ہو رہی ہے‘ جو اپنی ذات میں محمود ہے۔ اللہ حمید ہے‘ یعنی اس کا درجۂ کمال بذاتِ خود نمایاں ہے اور اس کا حسن و جمال از خود ظاہر ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔

شرک ظلمِ عظیم ہے!

سورۂ لقمان کی آیت ۱۳ سے حضرت لقمان کی نصیحتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَىَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۳﴾﴾ ''اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ اس کو نصیحت کر رہے تھے کہ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔ وعظ ایسی بات کو کہتے ہیں جو دل پر اثر کرے۔ سچی بات یہ ہے کہ قرآن مجید سے بڑا کوئی وعظ نہیں ہے۔ کسی چیز کو اپنے مقام سے ہٹا کر درجہ دینے کو ظلم کہتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا یعنی خالق کو مخلوق میں سے کسی کے برابر قرار دے دینا یا مخلوق میں سے کسی کو اُٹھا کر خالق کے برابر کر دینا ظلم عظیم ہے۔ حقیقتِ شرک اور اقسامِ شرک کے حوالے سے تفصیلی گفتگو آگے ہوگی۔

حقوقِ والدین کی خصوصی اہمیت

آیت ۱۴ میں فرمایا: ﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسٰنَ بِوَالِدَيۡهِ ۚ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَيۡكَ ؕ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں وصیت کی۔ اس کی والدہ نے اسے تکلیف پر تکلیف جھیلتے ہوئے اٹھایا اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہے' کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر کر۔ پھر میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے''۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود والدین کے حقوق اور بالخصوص والدہ کا حق تفصیل سے بیان فرمایا۔ حقوق کی فطری ترتیب میں فائق ترین حق اللہ تعالیٰ کا ہے اور مخلوق میں فائق ترین حق والدین کا ہے۔ آپ کے ذہن میں ایک سوال رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے آ رہا ہوگا تو اس بارے میں نوٹ کر لیجیے کہ مخلوق میں جب محبت' اطاعت اور اتباع کی بات آئے گی تو اس حوالے سے سب سے بڑا حق یقیناً رسول اللہ ﷺ کا ہے اور جب خدمت کی بات آئے گی تو والدین کا حق فائق ہے۔ قرآن کریم میں چار اور مقامات (البقرۃ:۸۳' النساء:۳۶' الانعام:۱۵۱ اور بنی اسرائیل:۲۳) میں اللہ تعالیٰ کے بعد والدین کے حق کا ذکر آیا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے ساتھ ہی اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو بریکٹ کیا: ﴿وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾۔

احادیث مبارکہ میں بھی والدین کے حقوق کا تذکرہ ملتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ آدمی ذلیل وخوار ہو!'' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ کون؟ فرمایا: ''وہ بدنصیب جو اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی

حالت میں پائے' پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت حاصل نہ کر لے''۔ ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کو وقت پر ادا کرنا''۔ میں نے پوچھا: اس کے بعد؟ فرمایا: ''والدین کے حقوق ادا کرنا''۔ میں نے پوچھا: پھر اس کے بعد؟ فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جنگ کرنا''۔

مذکورہ بالا آیت میں بالخصوص والدہ کے حق پر زیادہ زور ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی والدہ کے حق کا خصوصی تذکرہ ملتا ہے۔ متفق علیہ حدیث کے مطابق ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔ صحابیؓ نے پھر پوچھا: اس کے بعد؟ جواب ملا: ''تیری ماں''۔ صحابیؓ نے تیسری مرتبہ دریافت کیا: اس کے بعد؟ آپؐ نے پھر فرمایا: ''تیری ماں''۔ چوتھی مرتبہ صحابیؓ کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوا: ''تیرا باپ''۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باپ کے مقابلے میں ماں کا حق تین گنا فائق ہے۔ سورۃ الاحقاف میں والدہ کی تین خصوصی تکالیف کا بیان ہے' پہلی یہ کہ وہ حالت حمل میں بچے کو لیے پھرتی ہے' دوسری تکلیف بچے کو جنم دینے کے موقع پر اور پھر دودھ پلانے کے دوران مشقت کا معاملہ ہے۔ اس مناسبت سے مذکورہ بالا حدیث میں ماں کے تین درجات بیان فرمائے گئے ہیں۔

اللہ کا حق' والدین کے حق اور حکم پر فائق ہے!

سورۂ لقمان کی اگلی آیت (۱۵) میں اسی تسلسل میں ایک اور اہم بات کا بیان ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ؗ﴾ ''اور اگر وہ دونوں تجھ سے جہاد کریں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کے لیے تیرے پاس کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں ان کا ساتھ بھلے طریقے سے رہ''۔ اللہ تعالیٰ کا حق سب سے بڑا ہے۔ اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کا کوئی حق ہو اور دوسری طرف ماں باپ کا کوئی حکم ہو تو اللہ کا حق فائق ہوگا۔ ماں باپ ہی کی کیا' کسی اور کی بھی کوئی ایسی بات نہیں مانی جائے گی جو اللہ کے حکم سے ٹکراتی ہو۔ ابوداوٗد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ))

''مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس سے خالق کی معصیت ہو۔''

آیت کے اگلے حصے میں ایک اور اہم بات فرمائی گئی: ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ﴾ ''اور اُس کے راستے کی پیروی کر جس نے میری طرف رخ کیا''۔ یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ پیروی ایسی ہستی کی کرنی چاہیے جس کا رخ اللہ ربّ العزت کی طرف ہو۔ آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: ﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''پھر تم سب کو میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے' تو میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو''۔ حقوق کی ادائیگی میں جذبہ محرکہ آخرت میں جواب دہی کا احساس ہے۔ والدین سے کسی نے بدکلامی کی یا انہیں ایذا دی تو وہ بے چارے کیا کر لیں گے' لیکن اس بارے میں اللہ کے ہاں جواب دہی تو ہونی ہے۔ یہی وہ احساس ہے جس کی وجہ سے انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوشاں رہتا ہے۔

انسانی اعمال کی نتیجہ خیزی اور صبر کی اہمیت

اب ہم حضرت لقمان کی نصیحت کے دوسرے نکتے کی طرف چلتے ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ﴿یٰبُنَیَّ اِنَّہَآ اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَۃٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِہَا اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۶﴾﴾ ''اے میرے بیٹے! اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی چٹان میں کیا جائے یا آسمانوں میں یا زمین میں تو اللہ اسے لے آئے گا۔ یقیناً اللہ بہت باریک بین اور باخبر ہے''۔ گویا بتایا یہ جا رہا ہے کہ انسانی عمل محفوظ اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ نیکی و بدی کے حوالے سے مختلف احساسات مکافاتِ عمل کے دلائل ہیں۔ ہمارے اندر نیکی و بدی کا شعور فطری طور پر الہام کر دیا گیا ہے اور یہ فطرت کی پکار ہے کہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا ملنی چاہیے۔ اگر دنیا میں ایسا نہیں ہو رہا ہے تو آخرت میں تو لازماً ایسا ہو گا۔

حضرت لقمان نے نصیحت کرتے ہوئے مزید فرمایا: ﴿یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾﴾ ''اے میرے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک اور اس پر صبر کر جو تجھ پر بیتے' بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔ نماز قائم کرنے سے مراد انبیاء کرام ؑ کے

طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ سے مسلسل لو لگائے رکھنا ہے۔ نماز کا ایک متعین طریقہ ہمیں نبی اکرم ﷺ نے سکھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں کی حفاظت کرنے اور نبی اکرم ﷺ کے طریقے کے مطابق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

زیر مطالعہ آیت میں نماز کے بعد حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب دی۔ معروف اور منکر ہمارے دین کی بہت معروف اصطلاح ہے۔ معروف وہ ہے جس کی پہچان فطرت میں ودیعت شدہ ہے اور منکر وہ کام ہے جس کا فطرت انکار کرتی ہے۔ اچھی باتوں کا ہمیں علم ہے' مثلاً سچ بولنا' دھوکہ نہ دینا' امانت میں خیانت نہ کرنا۔ اسی طرح برائیاں بھی ہمارے علم میں ہیں' مثلاً جھوٹ بولنا' ملاوٹ کرنا' وعدہ خلافی کرنا۔

نہی عن المنکر بھی فرض ہے!

اس ضمن میں یہ یاد رکھیے کہ امر بالمعروف کے ساتھ بدی سے روکنا بھی ہمارا فریضہ ہے۔ ایک بہت بڑا مغالطہ یہ ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کے معاملے میں محض امر بالمعروف کافی ہے اور اس کے علاوہ مزید کھکھیڑ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ یعنی نیکی کو اتنا پھیلا دو کہ لوگوں کے پاس بدی کے ارتکاب کے لیے وقت نہ رہے۔ بظاہر تو یہ بات بہت بھلی لگتی ہے' لیکن حقیقتاً یہ درست نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں دس مقامات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے' جس سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف کی طرح بدی سے روکنا بھی بہت بڑا فریضہ ہے۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ ، وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))

''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے۔ اور اگر وہ اس کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں اسے برا سمجھے' اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''

حدیث میں یہ بات بھی آئی ہے کہ اگر کوئی برائی کو برائی تو سمجھے' لیکن اس کو روکنے کا ارادہ نہ رکھے تو اس کے دل میں ایمان ہے ہی نہیں' رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے اور اس فریضے کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نتیجے میں پیش آنے والے مصائب پر صبر کرنا واقعۃً بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اگر ہم کسی کو نیکی کی دعوت دیں تو لوگوں کو یہ بڑی عجیب بات لگتی ہے‘ لیکن جب بدی سے روکا جائے تو لوگوں کو بہت زیادہ برا لگتا ہے۔ اس پر ان کی طرف سے ردِّعمل آئے تو اسے برداشت کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے۔

زندگی کے تمام معاملات میں میانہ روی اختیار کرنا

اگلی آیت (آیت ۱۸) میں ہمارے سامنے اخلاقیات کا درس بھی آتا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے مزید فرمایا: ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۱۸﴾ ’’اور اپنے گال لوگوں کے سامنے نہ پھلاؤ اور نہ زمین میں اتراتے ہوئے چلو۔ بیشک خود کو کچھ سمجھنے والے اور بڑائی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا‘‘۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’تکبر حق کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے‘‘۔ اور تکبر کرنے والوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ مسلم شریف کی ایک اور روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا‘‘۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ و مامون رکھے۔

انسان کی چال تکبر کے اظہار کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ سینہ تان کر چلنے اور پیر زمین پر زور زور سے مارنے سے نہ انسان پہاڑوں سے بلند ہوسکتا ہے اور نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے۔ اس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں بایں الفاظ آتا ہے: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۳۷﴾ ’’اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو‘ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکو گے‘‘۔

جناب لقمان کی نصیحت کا آخری نکتہ یہ ہے: ﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۱۹﴾ ’’اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ۔ یقیناً آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے‘‘۔ ظاہری چال ڈھال میں اور پوری زندگی میں میانہ روی مطلوب ہے۔ بندہ اتنے ڈھیلے ڈھالے انداز میں بھی نہ چلے کہ لگے کوئی مریض ہے۔ بحث کے دوران بھی آواز کو پست رکھنا

مطلوب ہے‘ جبکہ آج ہمارے ہاں بحث و مباحثہ کے دوران چیخنا چلانا ضروری سمجھا جاتا ہے‘ جیسا کہ آج کل ٹاک شوز وغیرہ میں نظر آتا ہے۔ دلیل کے مقابلے میں بلند آواز کے ذریعے غالب آنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

حقیقت و اقسامِ شرک

شرک بدترین گناہ ہے!

سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس موضوع کی اہمیت کو سمجھا جائے۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور شرک کی کوئی معافی نہیں‘ الا یہ کہ توبہ کرلی جائے۔ سورۃ النساء کی آیات ۴۸ اور ۱۱۶ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ﴾ ’’بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے‘ اور اس کے سوا جس گناہ کو چاہے گا معاف فرمادے گا‘‘۔ سورۃ المائدہ (آیت ۷۲) میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۷۲﴾ ’’یقیناً جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ نے اُس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اُس کا ٹھکانہ آگ ہے‘ اور ایسے ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا‘‘۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے۔

ایک اور اہم نکتہ جو ہم مسلمانوں کے لیے پریشان کن بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت شرک میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ اس کا تذکرہ سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۶ میں بایں طور آیا ہے: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۱۰۶﴾ ’’اور ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس طرح کہ (کسی نہ کسی نوع کا) شرک بھی کرتے ہیں‘‘۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ یہ ایسا ہمہ گیر جرم ہے جو ہر دور میں ایک نئی صورت اختیار کرلیتا ہے۔

شرک صرف بتوں کے سامنے جھکنے ہی کا نام نہیں ہے‘ بلکہ اس کی مختلف صورتیں ہیں:

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں!

مخلوقات میں سے کسی کو کسی بھی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے برابر کر دینے کو شرک کہتے ہیں۔ اس کی ایک شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی کمزوری (جیسے کہ انسانوں کے ساتھ کمزوریاں وابستہ ہیں) وابستہ کر کے اسے اس کے مقامِ ارفع سے اُتار کر مخلوقات کے برابر کر دیا جائے۔ مثلاً ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی افسر یا حاکم ہماری بات تب سنے گا جب ہم اس کے نیچے والوں کی مٹھیاں گرم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کوئی ایسا تصور قائم کر لینا شرک کے زمرے میں آئے گا۔ دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ مخلوقات میں سے کسی کے مقام و مرتبہ کو اتنا بڑھا دینا کہ اسے اٹھا کر اللہ کے برابر کر دیا جائے۔ چنانچہ مشرک وہ نہیں ہے جو اللہ کو نہ مانے' بلکہ مشرک وہ ہے جو اللہ کو تو مانے لیکن اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا دے۔ اس لیے کہ اللہ کے وجود کو نہ ماننے والا تو ''دہریہ'' کہلاتا ہے۔

اقسامِ شرک

شرک کی اقسام کو علمائے کرام نے مختلف اعتبارات سے بیان فرمایا ہے۔ ہم تین اعتبارات سے اقسامِ شرک پر گفتگو کریں گے۔ شرک کی پہلی قسم ''شرک فی الذات'' ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک کر دینا۔ دوسری قسم ''شرک فی الصفات'' ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی مخلوق کو شریک کر دینا۔ تیسری قسم ''شرک فی الحقوق'' ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کو کسی مخلوق سے منسوب کر دینا۔

شرک فی الذّات: مخلوقات میں سے کسی کو خدا قرار دے دینا یا اسے اللہ تعالیٰ کا ہم جنس قرار دے دینا' شرک فی الذات کہلاتا ہے۔ یہ واضح اور بدترین نیز اعتقادی اور شعوری شرک ہے۔ شرک فی الذات میں بدقسمتی سے انبیاء کرام علیہم السلام اور الہامی کتب پر ایمان رکھنے والے بھی ملوث ہیں۔ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو' جبکہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ سورۃ التوبہ (آیت ۳۰) میں ان دونوں کا ذکر بایں الفاظ آیا ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور یہود نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے''۔ مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے دیا۔ سورۃ الاخلاص میں فرمایا گیا: ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴﴾ ''نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ اسے کسی نے جنا ہے' بلکہ اُس کی

ذات کا کوئی ہمسر یا ہم پلّہ نہیں''۔ اب دیکھئے کہ انسان کا بیٹا انسان ہوتا ہے اور اگر کسی کو خدا کا بیٹا قرار دیا جائے تو گویا اسے خدا ہی قرار دے دیا گیا۔

فلسفیانہ مذاہب' جن میں ہندومت وغیرہ شامل ہیں' کے پیروکاروں میں بھی ہمیں شرک فی الذات کا تصور نظر آتا ہے۔ الحمد للہ! اُمتِ محمد ﷺ شرک فی الذات سے محفوظ رہی اور اس کے کسی بھی قابل ذکر مکتبہ فکر نے اس شرک کا ارتکاب نہیں کیا' حالانکہ اس امت کی اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت ہمیشہ مثالی رہی ہے۔ اُمتِ محمد ﷺ کی اللہ تعالیٰ نے اس شرک سے مکمل حفاظت فرمائی' ورنہ ختم نبوت کے بعد کون آ کر امت کی اصلاح کرتا؟

اس خصوصی حفاظت کے چند مظاہر یہ ہیں: قرآن حکیم میں بار بار انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً نبی اکرم ﷺ کی بشریت کو نمایاں کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (الکہف: ۱۱۰) ''کہہ دیجیے میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں' مگر مجھ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوتی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ انسانوں ہی میں سے انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ قرآن مجید میں چند مقامات پر حضور ﷺ کی عاجزی کا ذکر ہوا ہے۔ قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ سے واضح الفاظ میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ (الاعراف: ۱۸۸) ''آپ فرما دیجیے کہ میں تو خود اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' مگر جو اللہ چاہے''۔ نبی اکرم ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ گھل مل جانا' ہر مہم میں قدم بقدم شریک ہونا اور تمام بشری مشقتیں برداشت کرنا' یہ سب اس خصوصی حفاظت کے مظاہر ہیں۔ گویا شرک فی الذات کی برائی میں پچھلی اُمتیں مبتلا ہوئیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے امت مسلمہ کا ان اہتمامات کے ذریعے تحفظ فرمایا۔

فلسفیانہ مذاہب کے پیروکار یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی ایک ہستی ہے جو اس کائنات کی خالق ہے' لیکن کائنات کے تخلیقی عمل یا خالق اور کائنات کے تعلق کے حوالے سے شرک کر بیٹھتے ہیں۔ اس کی مختلف صورتیں رائج ہیں' مثلاً دوئی یا ثنویت کا تصور کہ خالق کائنات اور مادہ دونوں قدیم ہیں۔ اسی طرح تثلیث کا تصور کہ خالق' مادہ اور روح تینوں قدیم ہیں۔ یہاں فلسفیانہ مذاہب میں تثلیث کے تصور کی بات ہو رہی ہے' نہ کہ عیسائیت میں تثلیث کے تصور کی۔ اسی طرح ہمہ اوست کا تصور ہندومت کے پیروکاروں کے ہاں ہے' یعنی خالق نے تحلیل ہو کر

کائنات کی صورت اختیار کر لی ہے‘ جیسے برف نے پگھل کر پانی کی شکل اختیار کر لی اور یہ پانی ہی درحقیقت برف ہے۔ اسی لیے ہندومت میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہر چیز خدا ہے۔ معاذ اللہ! ایک اور تصور حلول واتحاد کا ہے‘ یعنی خالق‘ کائنات میں اس طرح تحلیل ہو گیا جیسے چینی پانی میں حل ہو جاتی ہے۔ اس حوالے سے آخری شکل جس کا تصور فلسفیوں کے ہاں بھی موجود ہے اور ہندومت کے ماننے والوں کے ہاں بھی ملتا ہے‘ وہ ہے اوتار کا عقیدہ‘ یعنی خالق یہ کائنات بنا کر کسی انسان میں حلول کر گیا۔ اس کا ایک تصور عیسائیت میں بھی ہے کہ خدا نے ہی (معاذ اللہ!) مسیح کی شکل اختیار کر لی۔ یہ تمام صورتیں شرک فی الذات کی ہیں۔

شرک فی الصفات: شرک فی الصفات کا معاملہ کچھ علمی نوعیت کا ہے اور اس کا سبب اللہ تعالیٰ اور مخلوقات کی صفات کے لیے مشترک الفاظ کا استعمال ہے۔ کچھ الفاظ ہیں جو خالق اور مخلوق دونوں کے لیے استعمال ہو رہے ہوتے ہیں‘ لہٰذا غیر شعوری طور پر شرک میں مبتلا ہو جانے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۱ میں فرمایا گیا: ﴿لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ۚ﴾ ’’اس کی تو مثال کے مانند بھی کوئی شے نہیں‘‘۔ یعنی اللہ کے لیے مثال دینا بھی ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے فہم سے بہت بلند ہے۔ ہم کوئی بھی مثال دیں گے تو اپنے مشاہدات میں سے دیں گے اور مشاہدہ اس دنیا میں رہتے ہوئے مخلوق ہی کا کر سکتے ہیں۔ خالق کے لیے اس کی مثال دینا اسے خالق کے برابر کر دینے والی بات ہو گی۔ یاد رہے کہ اللہ کے جیسا کوئی نہیں اور اللہ کی مثال کی مانند بھی کوئی شے نہیں ہے۔

اس ضمن میں تین حقائق پیش نظر رہیں تو اس شرک سے حفاظت ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی اپنی ذاتی ہیں اور مخلوق کی صفات عطائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مطلق یعنی لامحدود ہیں جبکہ مخلوق کی صفات محدود ہیں۔ انسان میں کبھی کسی عمل کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم‘ اور دونوں صورتوں میں حد سے آگے نہیں جا سکتی۔ آخری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی‘ جبکہ مخلوق کی صفات حادث‘ فانی اور ارتقاء پذیر ہیں۔ انسان میں کوئی صفت نہیں تھی‘ مل گئی اور پھر ختم ہو جائے گی۔ کبھی بڑھ جائے گی اور کبھی کم ہو جائے گی۔ آج یادداشت تیز ہے‘ کل کمزور پڑ جائے گی۔ اگر یہ بنیادی فرق سامنے رہے تو شرک فی الصفات سے ہماری بچت ہو سکے گی۔

اللہ تعالیٰ کی چھ بنیادی صفات ہیں جن کے حوالے سے شرک کا امکان پیدا ہوتا ہے:

(۱) اللہ بھی ارادہ کرتا ہے اور ہم بھی ارادہ کرتے ہیں۔ ہمارا ارادہ اللہ کے ارادے کے تابع ہے۔ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے‘ لیکن ہم اللہ کے اذن کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ (۲) علم اللہ کے پاس بھی ہے اور ہمارے پاس بھی ہے‘ لیکن سب سے کامل علم اللہ کا ہے اور اللہ کے علم کے مقابلے میں ہمارے علم کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کے علم کا استعمال اس کی شان کے مطابق ہو گا۔ اللہ کا علم کامل بھی ہے‘ ذاتی بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والا بھی ہے‘ جبکہ اس کے مقابلے میں ہمارا علم اللہ کا عطا کردہ ہے‘ محدود ہے اور ارتقاء پذیر ہے۔ (۳) اسی طرح اللہ کی قدرت ہے اور ہمارے پاس بھی قدرت ہے۔ میں کسی شے کے اٹھانے کی قدرت رکھتا ہوں لیکن یہ قدرت میری ذاتی نہیں‘ اللہ کی عطا کردہ ہے‘ جبکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ (۴) حیات اللہ کی بھی ہے اور ہماری بھی۔ اللہ زندگی اور موت دیتا ہے‘ اور وہ از خود زندہ ہے۔ اس کے مقابلے میں مخلوق کی حیات اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ (۵) اللہ بھی کلام فرماتا ہے اور ہم بھی کلام کرتے ہیں‘ مگر ہم اللہ کے کلام کو سن نہیں سکتے۔ اللہ نے پیغمبروں سے کلام کیا۔ اللہ نے پیغمبروں کو وہ دل اور وہ سماعت بھی عطا فرمائی‘ اس کے لیے تیار بھی کیا۔ خالق اور مخلوق کے کلام میں زمین و آسمان سے بھی بڑھ کر فرق ہو گیا۔ (۶) اللہ کا بھی وجود ہے اور ہم بھی وجود رکھتے ہیں۔ ہمارا وجود اللہ کے وجود کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارا وجود اللہ کے اذن سے ہے۔ اصل میں تو اُسی کی ذات اور اسی کا حکم کارفرما ہے۔

مادہ پرستی بھی شرک ہے: شرک فی الصفات کے حوالے سے ایک اہم مسئلہ آج بہت عروج پر پہنچ چکا ہے اور وہ ہے ’’مادہ پرستی‘‘۔ معجزات کا انکار اس کے مظاہر میں سے ایک ہے۔ مادے کی صفات کو مستقل اور دائمی مان لیا گیا ہے۔ اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا‘ دریا پھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام لاکھوں افراد کو لے کر نکل گئے۔ کچھ لوگوں نے اسے مدوجزر کا معاملہ قرار دے دیا۔ ایسے عقل پرست لوگوں نے معجزات کا انکار کر ڈالا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے بنائے ہوئے طبعی قوانین (Physical Laws) بندوں کے لیے ہیں‘ اللہ کے لیے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان قوانین کو منسوخ کر دے۔ بندے اسباب کے پابند ہیں‘ اللہ تو اسباب کا پابند نہیں ہے۔ ایسے لوگ جو مادہ پرستی کے شرک میں مبتلا ہیں‘ معجزات کا انکار کرتے ہیں۔

اس کا دوسرا مظہر اسباب پر انحصار ہے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ یہ میرے قوتِ بازو کا معاملہ تھا‘ میں نے یہ سب کچھ حاصل کر لیا۔ میرے بیمار بچے کو ڈاکٹر نے ایک ہی خوراک میں کھڑا کر دیا۔ گویا مسبّب الاسباب کو بالکل فراموش کر دیا جاتا ہے اور سارا بھروسہ اسباب پر ہو جاتا ہے۔ اس کی تیسری وجہ حد سے زیادہ خود اعتمادی ہے۔ یعنی اپنے علم‘ ذہانت‘ دور اندیشی‘ منصوبہ بندی اور محنت پر بھروسہ کرنا ہے۔ سورۃ الکہف میں مذکور ہے کہ باغ والے نے کہا کہ یہ سارا کچھ میرے علم کی وجہ سے مجھے ملا۔ اسی طرح قارون نے بھی دعویٰ کیا تھا کہ مجھے دولت میرے علم کی وجہ سے ملی۔ بندہ اپنے آپ کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور رب کو فراموش کر دے‘ یہ مادہ پرستی ہے اور یہ بھی شرک ہے۔ شرک صرف بتوں کے آگے جھکنے کا نام نہیں۔ مادہ پرستی ہی دراصل دجالی فتنہ ہے جس کا مؤثر ترین رد سورۃ الکہف میں بیان ہوا ہے۔

’’دجال‘‘ ایک شخصیت کا نام بھی ہے اور دھوکے کو بھی ’’دجل‘‘ کہتے ہیں۔ سب سے بڑا دھوکہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا اور اس کے مال و اسباب کو سب کچھ سمجھ لے۔ دجال کے فتنے سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کی تلقین فرمائی‘ جس میں چار ایسے خوبصورت واقعات کا بیان ہے کہ جن کو سمجھ کر دجالی فتنے کا رد ہوتا ہے اور انسان اس ظاہر پرستی کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچ سکتا ہے۔

شرک فی الحقوق: شرک کی تیسری قسم شرک فی الحقوق ہے۔ صفات میں شرک نظریاتی اور علمی مسئلہ تھا‘ لیکن اللہ کے حقوق میں کسی کو شریک کرنا عملی نوعیت کا شرک ہے۔ اس کو وضاحت سے سمجھنے کی ضرورت ہے‘ کیونکہ اس کی ضربیں ہم سب پر کہیں نہ کہیں پڑتی ہیں۔ شرک فی الحقوق سے مراد شرک فی العبادت ہے۔ عبد غلام کو کہتے ہیں اور اللہ نے ہمیں اپنی غلامی کے لیے پیدا کیا ہے۔ غلامی مجبوراً ہوتی ہے جبکہ اللہ کو رب مان کر محبت کے جذبے کے ساتھ اللہ کی مکمل اطاعت کرنا عبادت ہے۔ عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ ہم سورۃ الفاتحہ میں پڑھتے ہیں: ﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝﴾ کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اللہ نے بندوں سے صرف ایک ہی حق ادا کرنے کا تقاضا کیا ہے اور وہ عبادت ہے:

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

زندگی اللہ نے عبادت کے لیے عطا کی اور امتحان کے لیے ہمیں دنیا میں بھیجا ہے۔

شرک فی الحقوق سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے‘ کیونکہ وہی معبود برحق ہے۔ عبادت دلی آمادگی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اللہ کی عبادت کے دو اجزاء ہیں: اطاعتِ کلّی اور محبتِ قلبی۔ یعنی مکمل طور پر اللہ کی اطاعت کرنا اور دل سے اللہ کے ساتھ محبت کرنا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ﴾ ’’اور جو لوگ ایمان لائے ان کی شدید ترین محبت اللہ کے لیے ہوتی ہے‘‘۔ کیونکہ اللہ ہمارا رب ہے جو ہمیں کروڑہا کروڑ نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

شرک فی العبادت اور اس کی مختلف صورتیں

شرک فی العبادت کے دو پہلو ہیں‘ ایک ہے شرک فی الاطاعت اور دوسرا ہے شرک فی المحبت۔ ہمارے ہاں مختلف مکاتبِ فکر ہیں۔ کوئی کسی کو بدعتی کہہ رہا ہے تو کوئی کسی کو گستاخ کہہ رہا ہے اور کوئی کسی کو مشرک کہہ رہا ہے۔ یہ سارے مباحث عقائد کی سطح پر علمی انداز میں ہوتے ہیں۔ عملی میدان میں کیا کیا شرک ہو رہا ہے‘ اس پر گفتگو کرنے کی لوگ کم ہی کوشش کرتے ہیں۔ آیئے عملی اعتبار سے شرک کے پہلوؤں کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

شرک فی الاطاعت: شرک فی الاطاعت کے حوالے سے حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) (رواہ الترمذی) ’’مخلوقات میں سے کسی کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق کی معصیت ہوتی ہو‘‘۔ انفرادی سطح پر ہماری اکثریت اللہ رب العزت کے بجائے نفس کی اطاعت کرتی ہے۔ سورۃ الفرقان (آیت ۴۵) میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ ؕ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) کیا آپ نے اس شخص (کے حال) پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش (نفس) کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟‘‘ فجر کے وقت پکار آئی کہ نماز نیند سے بہتر ہے‘ لیکن نفس کہتا ہے کہ آرام کر لو۔ اب بندہ نے نفس کی بات مان لی‘ اللہ کی نہیں مانی تو درحقیقت معبود کون ہوا؟ اللہ کا حکم چھوڑ کر خلافِ شریعت امور میں شوہر‘ والدین‘ اساتذہ‘ افسرانِ بالا‘ سرداروں‘ مذہبی پیشواؤں‘ سیاسی رہنماؤں اور حکام کی اطاعت کرنا‘ شرک فی الاطاعت کی مختلف صورتیں ہیں۔

اجتماعی سطح پر اللہ کے بجائے انسانوں کے بنائے ہوئے نظام اور قانون کی اطاعت کرنا

شرک فی الاطاعت ہے۔ اللہ کا حکم فراموش کر کے انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کو ترجیح دی جا رہی ہو' وہ نافذ بھی ہو اور کسی کو تکلیف بھی نہ ہو' جبکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ' آیت ۴۴ میں واضح انداز میں فرما دیا: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ''جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں''۔ اس وقت ہم ایک کافرانہ' مشرکانہ' ظالمانہ اور باغیانہ نظام کے تحت جی رہے ہیں۔ ہمارا اوّلین اور اہم ترین کام نظام کی تبدیلی کی جدوجہد ہے۔ عبادات کی ادائیگی کر کے ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کا حق پورا ہو گیا' حالانکہ ؎

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو
کتنا حسیں فریب ہے جو کھا رہے ہم!

شرک فی المحبت: اللہ سے شدید محبت ایمانِ حقیقی کا اہم اور اوّلین تقاضا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۵ کا تذکرہ ماقبل ہوا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ''اور اہل ایمان تو سب سے بڑھ کر صرف اللہ ہی کو محبوب رکھتے ہیں''۔ جبکہ ہماری اکثریت مال کی محبت کو اللہ کی محبت پر ترجیح دیتی ہے۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ)) ''ہلاک ہو گیا درہم و دینار کا بندہ''۔ یعنی حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر کسبِ مال ہو رہا ہے' گویا اللہ کو فراموش کر کے مال ہی کو معبود سمجھ لیا گیا ہے۔ اولاد' مذہبی پیشواؤں اور سیاسی رہنماؤں کی محبت بھی شرک ہے' اگر یہ محبت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت پر غالب آ جائے۔ اجتماعی سطح پر موجودہ دور میں وطن کی محبت ہر چہار طرف غالب نظر آتی ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!

ایسی محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے' نہ کہ وطن کے ساتھ۔ اسی طرح ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ درحقیقت اسلام سے غداری کا نعرہ ہے۔

ان دو کے علاوہ کچھ اور صورتیں بھی شرک فی العبادت میں شامل ہیں۔ مثلاً مراسمِ عبودیت میں شرک' جیسے رکوع' سجدہ' نذر و نیاز وغیرہ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے کرنا۔ عبادت

کی یہ خاص شکلیں اللہ کے لیے مخصوص ہیں۔ اسی طرح دعا میں شرک' جیسے اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کرنا اور اخلاص میں شرک' یعنی ہر وہ عمل جس کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول نہ ہو بلکہ کسی کو دکھانا' سنانا یا دنیا کا کوئی فائدہ حاصل کرنا ہو' جیسے دکھاوے کی نماز' دکھاوے کا روزہ اور دکھاوے کا صدقہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کی ان تمام شکلوں سے ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین!

خلاصۂ کلام

شرک کی یہ جملہ تفاصیل سامنے آنے کے بعد ہمیں کسی درجے میں سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۶ کا فہم حاصل ہوتا ہے' جہاں ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ ''اور ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس طرح کہ (کسی نہ کسی نوع کا) شرک بھی کرتے ہیں''۔ آج کل ہمارے ہاں مشرک اور کافر کے فتوے دھڑلے سے جاری کیے جاتے ہیں' مگر ان باتوں پر غور کیا جائے تو ہمیں دوسروں سے پہلے اپنی فکر کرنی پڑ جائے کہ کہیں ہم مشرکانہ طرزِ عمل میں تو مبتلا نہیں۔ جس طرح ہر علم رکھنے والا عالم نہیں ہوتا' اسی طرح ہر شرک کرنے والا مشرک نہیں ہوتا۔ شرکیہ طرزِ عمل ایک شے ہے جبکہ کسی کو مشرک کہہ دینا دوسری شے ہے۔ اہلِ کتاب نے شرک فی الذات کیا' لیکن انہیں مشرک نہیں کہا گیا۔ سورۃ البیّنہ کی ابتدائی آیات میں مشرکین کا ذکر الگ اور اہلِ کتاب کا ذکر الگ کیا گیا۔ اسی طرح ہر گناہ شرک کا مظہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کو شرک قرار نہیں دیا بلکہ ان کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے۔ کسی ایک فرد یا گروہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو مشرک قرار دے۔ اُمت کی تاریخ میں مشرک اور منافق کا کبھی فتویٰ نہیں دیا گیا' البتہ کسی کے بارے مسئلہ ہوا تو کفر کا فتویٰ دیا گیا اور وہ بھی امت کے علماء نے بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا۔ ہر کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ جسے چاہے کافر قرار دے دے' ورنہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو کوئی نہ کوئی کافر کہہ رہا ہوگا۔ پاکستان میں قادیانیوں کے خلاف جو تحریک چلی اور ۱۹۷۴ء میں انہیں کافر قرار دیا گیا' اس مسئلے کے حوالے سے وہ صحیح تر پراسیس ہے۔ گلی گلی میں کھڑے ہو کر کفر کا فتویٰ لگانا درست نہیں۔ ہمیں خود اپنی فکر کرنی چاہیے اور دوسروں کو ہمدردی کے ساتھ شرک سے بچنے کی تلقین کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت لقمان کی نصیحتوں کو سمجھنے' ان پر عمل کرنے اور اس کے ساتھ شرک کی مختلف صورتوں کو بھی سمجھنے اور ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین! ۞۞

مقامِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ

علامہ اقبال مرحوم نے یہ اشعار اپنے متعلق لکھے تھے‘ مگر ان سے زیادہ یہ مجھ پر صادق آتے ہیں:

چوں بنامِ مصطفیؐ خوانم درود — از خجالت آب می گردد وجود
عشق می گوید کہ اے پابندِ غیر — سینۂ تو از بتاں مانندِ دَیر
چوں نداری از محمدؐ رنگ و بو — از درودِ خود میالا نامِ او

میں اسی لیے سیرۃ النبی ﷺ کے جلسوں میں تقریر کرنے سے گریز کرتا ہوں کہ میرے اندر نہ تو آپؐ کا رنگ ہے‘ نہ آپؐ کی بو ہے۔ لیکن میں نے اس جلسے میں تقریر کے لیے‘ اپنے آپ کو بمشکل آمادہ کیا ہے۔ محض اس لیے کہ میں اپنی قوم کے نوجوانوں کو اس انقلاب سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں جو آپ ﷺ نے برپا کیا۔

من کہ نومیدم ز پیرانِ کہن — دارم از روزے کہ می آید سخن

اس لیے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے سمجھانے کی اور نوجوانوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دنیا کے عجائبات میں سے ایک اعجوبہ یہ بھی ہے کہ دنیا کے تمام بڑے مذاہب اور تمام بڑے فلسفے (مدارسِ فکر) ساتویں صدی قبل مسیح سے لے کر چھٹی صدی عیسوی کے آخر تک پیدا ہو گئے۔ اور جب یہ تمام فلسفے اور مذاہب (۷۰۰ ق م تا ۶۰۰ء) پیدا ہو چکے تو ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں یعنی ۶۱۰ عیسوی میں ایک نبی اُمی ﷺ نے قرآن پیش کر کے (۱) ساری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور (۲) ساری دنیا کو چیلنج بھی کر دیا۔ (۳) ساری دنیا میں ایک حیرت انگیز اور اس کے ساتھ سب سے بڑا مذہبی‘ ذہنی اور سیاسی انقلاب بھی برپا کر

دیا۔ (۴) بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کر دیا تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ (۵) اور تمام بنی آدم کو دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ حریت‘ اخوت اور مساوات کے اصولِ سہ گانہ کی نعمت سے بہرہ اندوز کر دیا۔ (۶) خدا‘ انسان اور کائنات کے ربط باہمی کو منطقی بنیادوں پر قائم کر کے ترقی دارین کا دروازہ کھول دیا۔ اور ان حقائق سہ گانہ کی بنیادوں پر ایسے تمدن‘ ایسی تہذیب اور ثقافت کا قصر رفیع تعمیر کیا جس کی نظیر چشم انسان تو کیا چشم فلک نے بھی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ (۷) خلاصۂ کلام اینکہ اس نبی اُمی ﷺ نے ۲۳ سال کی مختصر مدت میں نئی زمین پیدا کر دی‘ نیا آسمان پیدا کر دیا اور انسانوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی (جن کو صحابہ کرام ؓ کہتے ہیں) جو دن کو گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرتے تھے‘ جب کہ رات میں اپنے آنسوؤں سے زمین کو سیراب کرتے تھے اور اپنے سجدوں سے زمین کو رشکِ افلاک بناتے تھے۔ جن کی تسبیح وتہلیل پر فرشتوں کو رشک آتا تھا‘ جن کی شانِ عفت پر حوریں رشک کرتی تھیں‘ اور جن کے غضِ بصر پر حمص کی عیسائی عورتوں نے‘ جو انہیں دیکھنے کے لیے بن سنور کر بالا خانوں میں بیٹھی ہوئی تھیں‘ بے اختیار یہ کہا تھا کہ: ’’یہ مسلمان انسان نہیں ہیں‘ فرشتے ہیں!‘‘ اس لیے کہ ان کے سپہ سالار امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ نے ان کو ہدایت کر دی تھی کہ تمہارے دیدارِ فرحت آثار سے اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کے لیے یہودی اور عیسائی عورتیں سولہ سنگھار کے ساتھ نکلی ہیں‘ اس لیے تم اپنی نگاہیں نیچی رکھنا‘ کسی عورت کی طرف مت دیکھنا۔

یہ بات بھی لائقِ توجہ اور قابلِ غور ہے کہ بعثت نبویؐ یا نزولِ قرآن کے بعد سے آج تک نہ تو دنیا میں کوئی نیا مذہب پیدا ہوا ہے اور نہ نیا مدرسۂ فکر (school of philosophy)۔ بظاہر نئے فلسفے قدیم فلسفوں کی جدید تعبیرات ہیں۔ اگر وقت ہوتا یا مجھ میں دماغی طاقت ہوتی تو میں دو تین گھنٹے میں اس دعوے کو مبرہن کر دیتا۔ تاہم اربابِ علم کے تفننِ طبع کے لیے صرف تین مثالیں دیے دیتا ہوں:

(۱) میک ٹیگر یٹ نے کہا: Ego is real, God must go مگر اس سے دو ہزار سال پہلے سانکھ درشن اور جین دھرم نے یہی بات کہہ دی تھی۔ میک نے پرانی شراب کو نئی بوتل میں بھر دیا ہے۔

(۲) ہرل نے کہا: صرف مظاہر موجود ہیں‘ مگر ان کی پشت پر کوئی حقیقت بھی ہے؟ اسے نہ ہم جانتے ہیں نہ جان سکتے ہیں۔ لیکن اس سے دو ہزار سال قبل ناگارجن نے یہی بات کہہ دی تھی‘ جو بودھ دھرم کے چوتھے فلسفیانہ اسکول Nihilism کا سب سے بڑا شارح ہے اور منطقی موشگافیوں کے لحاظ سے عصر حاضر میں اگر کوئی اس کا صحیح مدمقابل ہے تو بریڈلے ہے۔

(۳) ہیگل کی Absolute Idealism کا بڑا شہرہ ہے‘ مگر شری ولبھ اچاریہ نے پندرھویں صدی میں اس کی بہتر تعبیر پیش کر دی تھی۔ بس یہ تین مثالیں کافی ہیں۔

میں نے اس غیر معمولی بات پر بہت غور کیا ہے اور میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں‘ جو میرا قیاس ہے‘ وہ یہ ہے کہ غالباً اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ اور مشیتِ کاملہ کی بنا پر یہ فیصلہ فرمایا ہو کہ چونکہ قرآن ابدی اور ارفع اور اعلیٰ صداقتوں کا حامل ہے اور اس میں profoundest philosophy and highest truth پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے گا‘ اس لیے اسے اس وقت نازل کرنا مناسب ہوگا جب عقل انسانی اپنی انتہا کو پہنچ جائے‘ یعنی اس ذروۂ کمال پر جس سے بالاتر مقام اس کے لیے عقلاً متصور نہ ہو سکے۔ جن لوگوں نے میری طرح انڈین فلاسفی (Hinduism, Gainism and Buddhism) کا بامعانِ نظر کم از کم پچاس ساٹھ سال تک مطالعہ کیا ہو‘ وہ یقیناً مجھ سے متفق ہوں گے کہ ہندی فلسفہ بلاشبہ فکر انسانی کی معراج ہے۔ افسوس کہ میں اس دعوے کو مدلل نہیں کر سکتا‘ کیونکہ یہ موضوعِ تقریر نہیں ہے‘ بس یوں سمجھو کہ ہندو‘ جین اور بودھ مفکرین میں ہر فلسفی نے اپنے اپنے دور میں کوسِ انا ولا غیری بجایا ہے۔ صرف ایک فلسفی کا نام لیتا ہوں: وینکٹ ناتھ المعروف بہ ویدانت دیشک جو شری رام نوج اچاریہ کے فلسفۂ واشسٹ اَدْویت کا سب سے بڑا شارح ہے‘ ۱۲۶۸ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۳۷۱ء میں (۱۰۳ سال کی عمر میں) وفات پائی۔ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوا۔ تین سال تپس اور دھیان (مجاہدات اور مراقبات) میں بسر کیے‘ اور اسی سال تک مسلسل بذریعہ تحریر و تقریر اپنے مسلک کا منڈن اور ہندوستان کے تمام مدارس فلسفہ کا کھنڈن کرتا رہا۔ اس نے شنکر اچاریہ کے فلسفۂ اَدویت (Non-Dualism) پر ایسے ایسے شدید اعتراضات کیے ہیں کہ بڑے بڑے حامیانِ فلسفۂ شنکر کے حواس گم ہو جاتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب! جس وقت قرآن نازل ہوا تمام دنیا کے فلسفے اور مذاہبِ عالم وجود میں آ چکے تھے اور فکر انسانی اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا ساتویں صدی عیسوی میں یہ کتاب نازل ہوئی جو:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چو دیگر شد‘ جہاں دیگر شود
با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ آنچہ از حاجت فزوں داری بدہ

واضح ہو کہ جو انقلاب قرآن نے پیدا کیا وہ نہ کسی فلسفے نے‘ نہ کسی مذہب نے‘ نہ کسی cult نے‘ نہ کسی تحریک نے‘ نہ کسی جماعت نے‘ اور نہ کسی فرد نے پیدا کیا —— بقول ایم این رائے پیغمبر اسلام (ﷺ) نے صرف ایک انقلاب ہی برپا نہیں کیا‘ بلکہ:

"He was the greatest revolutionary the world has ever seen."

آنحضرت ﷺ کے برپا کردہ انقلاب کے سامنے لینن کا انقلاب بچوں کا کھیل نظر آتا ہے۔ لینن نے شیاطین کی فوج پیدا کی‘ جبکہ آنحضرت ﷺ نے supermen کی جماعت تیار کر دی جنہوں نے دنیا کو عدل اور امن سے معمور کر دیا۔ ملاحظہ کیجیے:

"The Historical Role of Islam"

لینن نے صرف معاشی انقلاب برپا کیا‘ آنحضرت ﷺ نے ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔ لینن نے غور و فکر کا دروازہ بند کر دیا‘ جبکہ

"The birth of Islam is in the eyes of a philosopher, the birth of inductive intellect in the world."

(نوٹ: رائے نے یہ بات متکلمینِ اسلام سے سیکھی تھی)

اب سوال یہ ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا میں مختلف النوع مذاہب بھی تھے اور فلسفے بھی اور اخلاقی ضوابط (ethical codes) بھی —— تو اسلام یا قرآن کی کیا ضرورت تھی؟ پیغمبر اسلام ﷺ نے کس کمی کو پورا کیا؟ بالفاظِ دگر‘ قرآن کی کیا ضرورت تھی؟ یا آپ ﷺ کا کارنامہ کیا ہے؟ —— اس کا جواب یہ ہے کہ ظہورِ اسلام یا بعثتِ نبویؐ کے وقت (ساتویں صدی عیسوی میں) دنیا میں سب کچھ تھا مگر توحید باری تعالیٰ نہیں تھی۔ قرآن نے یا آنحضرت ﷺ نے اس کمی کو پورا کیا۔ اور دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے

مکمل code عطا کر دیا‘ جو انسان کی زندگی کے ہر شعبے پر حکمران ہے اور ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے۔ اقبال نے ان اشعار میں اسی حقیقت کو واضح کیا ہے:

بود انساں در جہاں انساں پرست
ناکس و نابود مند و زیر دست (انسان پرستی)

سطوتِ کسریٰ و قیصر رہزنش
بندہا در دست و پا وگردنش (ملوکیت)

کاہن و پاپا و سلطان و امیر
بہر یک نخچیر صد نخچیر گیر (احباریت)

صاحب اورنگ و ہم پیر کنشت
باج برکشتِ خرابِ او نوشت
در کلیسا اسقف رضواں فروش
بہرایں صیدِ زبوں دامے بدوش (کلیسائیت)

برہمن گل از خیابانش بہ برد
خرمنش مغ زادہ با آتش سپرد (برہمنیت اور مجوسیت)

از غلامی فطرتِ او دوں شدہ — نغمہ ہا اندر نئے او خوں شدہ
تا امینے حق بحقداراں سپرد — بندگاں را مسند خاقاں سپرد
زادنِ اوؐ مرگِ دنیائے کہن — مرگِ آتش خانہ و دیر و شمن

آنحضرت ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا اس کی ایک جھلک ہم ان اشعار کے ذریعے سے دیکھ سکتے ہیں:

در شبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
در جہاں آئینِ نو آغاز کرد — مسندِ اقوام پیشیں در نورد
از کلید دیں درِ دنیا کشاد — ہمچو اوؐ بطنِ اُمّ گیتی نہ زاد

اب میں اپنے دعوے کو تاریخ مذہب کی روشنی میں مبرہن کرتا ہوں‘ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا میں حسب ذیل مذاہب موجود تھے:

(۱) شنٹو جاپان کا قومی یا قدیمی indigenous مذہب ہے‘ اس کا مطلب ہے: ’’قومی دیوتاؤں کا راستہ!‘‘ ان دیوتاؤں کی سرتاج سورج کی دیوی ہے۔ نوٹ: سورج کی پوجا (۶۰۰ ق م) میں جاپان سے لے کر یونان تک ہوتی تھی۔ سورج کو خدا کا بیٹا (Son of God) کہتے تھے‘ از ہندوستان تا یونان۔ اس کے علاوہ ہر ملک میں مقامی خدا کے بیٹے معبود بنے ہوئے تھے۔ چونکہ بادشاہ سورج کی دیوی کی اولاد ہے‘ اس لیے اب شنٹو ازم کا مطلب ہے شاہ پرستی‘ چنانچہ ولی عہد کو ’’آفتاب کا مبارک فرزند‘‘ کہتے ہیں۔ آج کل شنٹو مجموعہ ہے: (شاہ+ فطرت+اسلاف پرستی) کا۔ توحید الٰہی کا دور دور تک نشان نہیں مل سکتا۔

(۲) تاؤ ازم (Taoism) کا بانی لاؤزی (Lao-Tse) تھا جو کنفیوشس کا ہم عصر تھا۔ (تاریخ ولادت ۶۰۴ ق م) اس کی تصنیف کا نام ’’تاؤ ٹے گنگ‘‘ ہے جو اس مذہب کی مقدس الہامی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ Tao کا لفظی معنی ہے راستہ یا طریق۔

The Absolute in itself is unknowable.

آگے چل کر شرک اور بت پرستی‘ خانقاہیں‘ توحید غائب ہوگئی اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا شروع ہوگئی۔ تم کائنات کو اپنی مرضی سے ہم آہنگ نہیں کر سکتے‘ اس لیے تم خود حالات سے ہم آہنگی پیدا کرلو۔

(۳) کنفیوشس (۵۵۱ تا ۴۷۳ ق م) اس نے اخلاقی اور سیاسی نظام پیش کیا۔ ان تینوں مذاہب میں توحیدِ ایزدی کی تعلیم نہیں ہے۔ شخصیت پرستی اور بُت پرستی عام ہے۔

(۴) ہندو دھرم میں شرک بھی ہے‘ توحید بھی ہے‘ لیکن بُت پرستی عام ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں عام ہو چکی تھی۔ (توحید افراد میں تھی‘ قوم مشرک تھی۔)

(۵) جین دھرم اور

(۶) بودھ دھرم میں خدا کا انکار ہے۔

(۷) Zor میں یزداں اور اہرمن یعنی توحید کے بجائے ثنویت (Dualism) ہے۔

(۸) مانی کا مذہب مختلف مذاہب کا مجموعہ ہے۔ اس کی بنیادی تعلیم توحید نہیں ہے بلکہ matter is evil‘ لہٰذا مقصودِ حیات ترکِ دنیا ہے۔

(۹) مسلکِ عرفان (Gnosdicism) نصرانیت کے ابتدائی زمانے میں عیسائیوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا۔ چونکہ توحید کا حامی تھا اس لیے تثلیث نے اسے ختم کر دیا۔

(۱۰) مزدکیت میں خدا کا کوئی تصور نہیں تھا' صرف معاشی نظام تھا۔ مزدک پہلا اشتراکی تھا۔ زن' زر اور زمین تینوں مشترک۔

(۱۱) متھرا ازم: عیسائیت کا سب سے بڑا رقیب تھا۔ ''متھرا'' خدا کا اکلوتا بیٹا تھا' مصلوب ہوا' اب آسمان پر ہے۔

(۱۲) صابی۔ عراق کے ستارہ پرست تھے' اور انہوں نے احبار کو اربابًا من دون اللہ بنا لیا۔

(۱۳) یہودیت میں توحید تھی' مگر رفتہ رفتہ عزیر ابن اللہ بن گیا۔

(۱۴) عیسائیت میں بھی توحید تھی' مگر ظہورِ اسلام کے وقت ساتویں صدی عیسوی میں توحید کی جگہ تثلیث دماغوں پر حکمران تھی اور مسیح ابن اللہ تھا۔ جب خالد جانباز ؓ دمشق کے دروازے پر دستک دے رہے تھے' تو عیسائی یہ بحث کر رہے تھے کہ ولادتِ یسوع کے بعد مریم virgin رہیں یا نہیں؟ یسوع انسان تھے یا خدا یا دونوں؟ متعدد فرقے اسی طرح لڑ رہے تھے' جس طرح چنگیز اور ہلاکو کے زمانے میں احناف اور شوافع' معتزلہ اور اشاعرہ' سُنی اور شیعہ آپس میں لڑ رہے تھے۔

(۱۵) مجوسیت: یہ زرتشتی مذہب کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ خدا پرستی کے بجائے آتش پرستی اور رسوم پرستی' یہ حالات تھے جب ۶۱۰ء میں آنحضرت ﷺ نے مکّہ میں توحیدِ ایزدی کا علَم بلند کیا۔ یہ دنیائے مذہب کا سب سے بڑا انقلاب تھا:

"Muhammad is certainly the greatest revolutionary the world has ever seen, as well as the most successful of all the religious personalities of the world."

چونکہ قرآن کے ساتھ دین کامل ہو گیا اور نعمت تمام ہو گئی اس لیے مشیت ایزدی نے دین کی روح یعنی توحید باری کو اس طرح کامل کر دیا کہ اس پر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا' اور شرک کے تمام راستوں کو اس طرح مسدود کر دیا کہ اب کوئی شخص انتہائی کوشش کے باوجود کوئی چور دروازہ نہیں کھول سکتا۔ اور میرے طویل مطالعے اور غور وفکر کی رو سے قرآن یا اسلام کا کمال بس اسی میں مخفی یا مضمر ہے:

"Nobody can improve upon the doctrine of the unity of God as profounded by the unlettered prophet of the desert."

ورنہ اخلاقی تعلیم تو سب مذاہب میں موجود تھی۔ قرآن کو اس باب میں کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ ہاں اسے یہ فخر ضرور حاصل ہے کہ اس نے شرک کی تمام ممکن صورتوں کو مٹا دیا' اور چونکہ صرف مردِ حُر' توحید کے اقتضاء پر عمل کر سکتا ہے اس لیے قرآن وحدیث نے غلامی کی تمام صورتوں کو بھی مٹا دیا۔

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں' نے گدائے رہ نشیں

کانٹ کہتا ہے کہ جب تک انسان کو حریتِ کاملہ حاصل نہ ہو وہ اخلاقی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ کاش! کوئی مسلمان کانٹ کو بتاتا کہ یہ نعمت صرف آنحضور ﷺ نے انسان کو دی۔ مگر سلاطین عثمانی' ترکانِ تیموری کی طرح خود اسلام سے بیگانہ تھے' بتاتا کون؟ سلیمان نے یورپ کو نہیں بتایا' اورنگزیب نے ہندوستان کو نہیں بتایا۔ انسان کی بنیادی کمزوری شرک ہے' اس لیے قرآن یا آنحضرت ﷺ نے شرک کی تمام صورتوں' یعنی شرک فی الوجود' شرک فی الذات' شرک فی الصفات' شرک فی الحکم' شرک فی العبادات' شرک فی التصرف' شرک فی التاثیر اور شرک فی الآثار کو مٹا دیا۔

جب انسان کو حریتِ کاملہ حاصل نہ ہو وہ اللہ کی عبادت نہیں کر سکتا' اس لیے آنحضور ﷺ نے غلامی کی تمام صورتوں' یعنی جسمانی غلامی' ذہنی غلامی' ضمیر کی غلامی' نفس ناطقہ کی غلامی' علم (حاصل کرنے) کی غلامی' پیشے کی غلامی' رنگ' نسل اور ذات پات کی غلامی' سیاسی غلامی اور معاشی غلامی کو مٹا دیا --- چونکہ بانیانِ مذاہب کو خدا بنایا گیا تھا' اس لیے آپ ﷺ کو حکم ہوا: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (الکھف: ۱۱۰)

جس دین نے ساری دنیا کو ہر قسم کی غلامی سے رہائی بخشی تھی' آج اس دینِ متین کے پیرو بفضل خدا اور رسولؐ ہر قسم کی غلامی میں مبتلا ہیں۔ اور مزید کرم یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے تا ایں دم غلامی کی ہر نوع میں روز بروز شدت وغلظت ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ تقسیمِ ہند سے پہلے شیخ ہجویریؒ کے مزار کے قرب وجوار میں ایک باورچی کی دکان بھی نہیں تھی'

لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج (۱۹۷۸ء) پچاس سے زائد باورچی باسمتی کی بریانی ۴۰' ۵۰ پکی پکائی دیگیں تیار لیے بیٹھے مؤمنین و موحدینِ قانتین کے لیے چشم براہ ہیں' اور شام تک سب بک جاتی ہیں۔ یہ داتا حضور کے فیض کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ جو آتا ہے نہ خالی ہاتھ واپس جاتا ہے' نہ خالی پیٹ۔ اور اگر آپ ماہرِ فن ہیں تو سلام کرنے والیوں کے طلائی زیورات بھی آپ کے ہاتھ کی صفائی کے منتظر ہیں۔

میں نے بدقسمتی سے تاریخ اسلام بھی پڑھی ہے' کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے آنحضورﷺ کے مزار مبارک کو گلاب اور کیوڑہ چہ معنی' سادہ پانی سے بھی غسل نہیں دیا۔ لیکن داتا کے مزار کو ہر سال منوں گلاب اور کیوڑے کے عرق سے غسل دیا جاتا ہے اور وہ غسالہ عوام تو کالانعام ہیں' خواص کے لیے بھی گویا گرِ داحمر اور طوطیائے چشم بن جاتا ہے۔

خلاصہ کلام اینکہ حضورﷺ نے تو قبور کو پختہ کرنے سے بھی منع فرمایا تھا' مگر آپﷺ کے عاشقوں نے آپؐ کے مبلغین کے مزاروں پر ایسے ایسے فلک بوس گنبد تعمیر کیے ہیں جو میلوں دور سے زائرین با تمکین کو دعوتِ رکوع و سجود دے رہے ہیں۔ اور ہم نے تو ایک مزار پر انوار' سعادت آثار کی تعمیر پر بیس کروڑ روپے سے زیادہ صرف کیے ہیں' حالانکہ ہماری قومی اور معاشی حالت اس قدر زار و زبوں ہے کہ ہم کروڑوں روپے سالانہ صرف بطور سود ادا کر رہے ہیں' اس رقم پر جو ہم نے بطور قرضہ غیر حسنہ لے رکھی ہے۔ اپنے بچپن میں ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی!'' کی ضرب المثل سنی تھی۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ۱۹۷۸ء میں یہ مثل خود ہم پر صادق آجائے گی۔ وہ آخر ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفلِ رنداں رازے نیست کہ نیست

خلاصہ کلام اینکہ آنحضرتﷺ توحید کے سب سے بڑے علمبردار ہیں لیکن آپﷺ کے عُشّاق اس وقت شرک کے سب سے بڑے حامی اور مشرکوں کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ اصلاحِ احوال کی صرف ایک ہی صورت ہے ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ یعنی مسلمانوں کو تدبر فی القرآن کی دعوت دینا۔ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھ لینے کے بعد کوئی شخص شرک کی کسی صورت کا بھی ارتکاب نہیں کر سکتا۔ پس قرآن خود بھی پڑھو اور دوسروں کو بھی پڑھاؤ! ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ ست با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال!

آنحضورﷺ کی خصوصیات

(۱) صرف آپﷺ کی شخصیت تاریخی طور پر ثابت ہے۔ اگر میں مناظرانہ رنگ میں یہود یا نصاریٰ یا ہنود یا مجوس سے کہوں کہ حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) اور حضرت رام یا کرشن یا زرتشت کی شخصیت تاریخی طور پر ثابت کرو تو چاروں دم بخود ہو جائیں گے۔

(۲) دوسری خصوصیت: آپؐ نے اپنی وفات سے قبل اپنا پیغام مکمل کتابی صورت میں اُمت کو دے دیا' جس کی Genuineness, Authentity, integrity and Purity کا اعتراف اپنے تو اپنے' دشمنوں کو بھی ہے۔ ولیم میوؔر نے ۱۸۶۱ء میں لکھا تھا:

"There is no book under the sun which for the last 12 centuries has remained with so pure a text."

(۳) آپﷺ کی زندگی اگرچہ محدثین کی کوششوں سے محفوظ ہے' لیکن آپؐ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ حدیث کی ساری کتابیں تلف ہو جائیں تو صرف قرآن سے آپﷺ کی لائف مرتب ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ گیتا سے شری کرشن کی لائف مرتب نہیں ہو سکتی' تورات سے موسیٰ علیہ السلام کی' زبور سے داؤد علیہ السلام کی اور انجیل سے عیسیٰ علیہ السلام کی' دھمپد سے گوتم بدھ کی اور انگ سے مہاویر کی لائف مرتب نہیں ہو سکتی۔

(۴) آپﷺ واحد پیغمبر یا مصلح ہیں' جس نے جو تعلیم دی اس پر خود بھی عمل کر کے دکھایا اور دوسروں سے بھی عمل کرا دیا۔

(۵) آپﷺ واحد پیغمبر یا رسول یا مصلح ہیں جس نے اضداد کو جمع کر دیا۔ یعنی آپﷺ نے
Idealism اور Realism کو جمع کر دیا
Collectivism اور Individualism کو جمع کر دیا

Communism اور Capitalism کو جمع کر دیا
Matter اور Spirit کو جمع کر دیا
دنیا اور دین " " "
Laity اور Clergy " " "
Hereafter اور Here " " "

(۶) آپ ﷺ کی پوری زندگی محفوظ ہے۔

(۷) آپ ﷺ نے بیک وقت تین نعماء دنیا کو دیں، یہ فخر کسی مصلح کو حاصل نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ایک قوم بنائی، اسے مکمل آئینِ حیات دیا اور مکمل اخلاقی (Highest Ethical Ideal) نظام اور اخلاقی نصب العین دیا اور پھر بالفعل حکمران بنا دیا، تاکہ دنیا قول اور عمل میں مطابقت کا نظارہ دیکھ سکے۔

(۸) اللہ رب العالمین ہے، آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ کائنات پر رؤف اور رحیم ہے۔ آپ ﷺ مؤمنوں پر!

(۱۰) آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی، کمالاتِ نبوت ختم ہوگئے۔ آپ ﷺ کی ختمیت بقول حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ذاتی ہے، اور آپ ﷺ کی امت خیر الامم ہے۔ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ......﴾

(۱۱) آپ ﷺ کی گیارہویں خوبی یا خصوصیت تعلیم یہ ہے کہ انسانی شخصیت کے تینوں پہلوؤں: علم و جذبہ و ارادہ کی یکساں تربیت (Harmonious Development) کا دستور العمل عطا کر دیا۔

(۱۲) جہاد فی سبیل اللہ کو رہبانیت اسلام قرار دیا، یعنی اسلام میں ترکِ دنیا ہے، مگر وہ غار و کوہ میں خلوت نشینی کا نام نہیں ہے، بلکہ میدانِ جہاد میں اللہ تعالیٰ کے لیے ترکِ دُنیا کر دینا۔

(۱۳) آپ ﷺ نے ایک لاکھ سے زائد انسانوں کو شرک اور بت پرستی، شخصیت پرستی اور اوہام پرستی سے پاک کر دیا، اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور دین اسلام کی محبت کا رنگ پیدا کر دیا۔

ہمارا فرض (حرفِ آخر)

ہمارا فرض اس وقت یہ ہے کہ ہم روحانیت اور مادیت میں امتزاج کے طریق کار (پروگرام) کو، جو آپ ﷺ نے ہمیں مذہب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عطا کیا، دنیا میں عام کر دیں۔ اس کے دو فائدے ہوں گے:

(۱) ہم موردِ فضل الٰہی بن جائیں گے۔

(۲) یورپ کو اس وقت اسی نسخے کی ضرورت ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یورپ اسلام کے مطالعے کی طرف مائل ہو جائے گا۔ (بحوالہ: لارڈ لوتھین کا مشورہ، ۱۹۳۸ء)

استدراک

میں نے ۱۹۳۴ء میں ایک مضمون لکھا تھا: قرآن مجید نے ہستیٔ باری تعالیٰ پر بھی دلائل دیے ہیں، اور توحید (ذات) باری تعالیٰ پر بھی۔

(ا) ہستی پر بہترین دلیل: ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝۳۵﴾ (الطّور)

(ب) شرک فی الوجود کا ابطال: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ﴾ (الحدید:۳)

(ج) توحید پر دلیل: ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ﴾ (الانبیاء:۲۲)

(د) کثرتِ ایں نقش ہا عرضِ تجلی ہائے اوست
در دو عالم غیر یک نقاش کس موجود نیست!

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر ''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں۔ آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

قرآن مجید میں خدا کے وعدوں کو سمجھنے میں غلطی

محمد ندیم پشاوری

اسلام کے دشمنوں نے ہر دور میں اسلام کو ناقص ظاہر کرنے اور اس کے اجزاء میں کتر بیونت کرنے اور پیوند کاری کی کوششیں کی ہیں‘ جس میں وہ ہمیشہ ناکام ہوتے رہے ہیں۔ دین کی حفاظت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیشہ اہلِ علم پیدا فرمائے جو دین کو اس کی مکمل شکل میں باقی رکھنے کے لیے جدوجہد کرتے رہے‘ کیونکہ اسلام مکمل اور آخری دین کی صورت میں آیا ہے اور اس کو قیامت تک اسی طرح مکمل طریقہ سے باقی رہنا ہے۔ دورِ حاضر میں بھی دین کو اس کی مکمل شکل سے ہٹا کر پیش کرنے کی کوششیں وقتاً فوقتاً ہوتی نظر آتی ہیں اور بعض اوقات غلط فہمی‘ کم علمی یا کسی شخصیت کی حاضر جوابی اور عقلی استدلالات سے متاثر ہو کر بعض اہل علم اور اہلِ قلم حضرات بھی غلط نظریات و افکار اور رجحانات کا شکار ہو جاتے ہیں اور اُن غلط افکار ونظریات اور رجحانات کی ترویج کے لیے کبھی کبھار زبان کے ساتھ ساتھ قلم کی مدد بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ پچھلے مہینے ایسے ہی ایک صاحب قلم محترمی ومکرمی جناب ڈاکٹر عرفان شہزاد صاحب کا مضمون ’’ماہنامہ الشریعہ‘‘ جنوری کے شمارے میں پڑھنے کا اتفاق ہوا‘ جس پر چند تحفظات ان کے گوش گزار کرنا مقصود ہیں۔ محترم موصوف کے مضمون ’’قرآن مجید میں خدا کے وعدوں کو خدا کا حکم سمجھنے کی غلطی‘‘ کو بار بار پڑھنے سے راقم الحروف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے اور جہاں تک موصوف کے موقف کو سمجھا ہے اُس کو دو نکات میں مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱) قرآن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیے گئے تمام یا اکثر (جن کا مضمون میں تذکرہ کیا گیا ہے) وعدے عمومی حیثیت کے نہیں ہیں‘ بلکہ مخصوص ہیں‘ جن کی مراد نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) تھے اور وہ مجموعی طور پر اُمت مسلمہ کو شامل نہیں ہیں۔ اس موقف کو اختیار کرنے کے لیے جس نظریے کا سہارا لیا گیا ہے وہ کچھ یوں ہے:

۲) مسلمانوں کا اسلام کے سیاسی غلبے کے لیے جدوجہد کرنا حالات کا تقاضا تو ہوسکتا ہے‘

انسانی سماج کی ضرورت تو ہوسکتی ہے لیکن اس جدوجہد کو دینی فریضہ سمجھ کر سرانجام دینا مسلمانوں کی غلط فہمی اور قرآن مجید میں خدا کے وعدوں سے ناواقفیت ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس جدوجہد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت‘ فتح وکامرانی حکمت کا تقاضا تو ہوسکتا ہے‘ لیکن شرط‘ ذمہ داری یا کوئی عام قانون نہیں۔

زیر نظر مضمون کا تنقیدی جائزہ پیش کرنے سے قبل اُس بنیادی غلط فہمی کا ازالہ ناگزیر ہے جو صاحبِ مضمون کے مذکورہ بالا نظریے کی پشت پر کارفرما دکھائی دیتا ہے اور وہ بنیادی غلط فہمی ’’دین اور سیاست وریاست کے رشتے‘‘ سے ناواقفیت ہے جس کے نتیجے میں اجتماعی جدوجہد وجود میں آتی ہے۔ دین وسیاست کا رشتہ بے حد نازک ہے اور اس رشتہ کو بیان کرنا پل صراط پر چلنے سے زیادہ مشکل کام ہے‘ کیونکہ کسی ایک پہلو پر ضرورت سے کم یا ضرورت سے زیادہ بات کرنا آسمانی دین کی غلط تشریح تک پہنچا دیتا ہے۔ اسلام کے سیاسی غلبے کو اگر نظرانداز کیا جائے تو موجودہ سیاسی کشمکش اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی استعماری سازشیں سب بے معنی ہیں‘ کیونکہ مخالفین بھی اسلام کو ہر شخص کی انفرادی زندگی کے طور پر قبول کرنے کا برملا اعتراف کر چکے ہیں۔ امریکہ کا مشہور مصنف ولیم جے فیڈرر اپنی کتاب "What Every American Needs to Know About the Quran" یعنی ’’ہر امریکی کے لیے قرآن کے بارے میں کیا جاننا ضروری ہے؟‘‘ میں اسلام کو ایک دہشت گرد اور خونخوار مذہب کے طور پر پیش کرنے کے باوجود انفرادی طور پر اسلام کے مستقبل کے بارے میں رقمطراز ہے:

> *"We say to Muslim believers there is a noble future for Islam as a personal faith, not a political doctrine. "*
>
> ’’ہم مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیاسی غلبے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انفرادی طور پر اسلام کا مستقبل خوش آئند ہے۔‘‘

اور یہی وہ موقف ہے جس کے بارے میں مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی ؒ نے اپنی وفات سے دو سال قبل اپریل ۱۹۹۷ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ ’’دعوت وتربیت‘‘ کی زیرنگرانی قائم ’’المعهد العالی للدعوة والفكر الاسلامی‘‘ کے زیر اہتمام ایک پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ’’اہلِ مغرب اسلام کو بحیثیت عالمگیر دعوت‘ سیاسی قوت اور

مذہبی آزادی کے اتنا کمزور کرنا چاہتے ہیں کہ وہ محدود رقبہ میں اور خاص نسل اور قومیتوں کے دائرہ کے اندر ہی نافذ اور کارفرما ہے لیکن عالمی پیمانے پر اس کا وجود اور نفوذ ختم ہو جائے۔‘‘

حضرت عمرؓ کے دور میں ربعی بن عامرؓ سردارانِ فارس کے دربار میں سفیر بن کر گئے تھے۔ اہلِ دربار سے ان کے مکالمے میں اسلام کی تعریف کے دوران اسلام اور سیاست کے نازک رشتے اور حساس تعلق کی وضاحت کچھ یوں ملتی ہے:

فَقَالُوْا لَهُ مَا جَاءَ بِكُمْ؟ فَقَالَ: اللّٰهُ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ وَمِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا إِلٰى وُسْعَتِهَا وَمِنْ جُوْرِ الْاَدْيَانِ إِلٰى عَدْلِ الْإِسْلَامِ، فَاَرْسَلْنَا بِدِيْنِهِ إِلٰى خَلْقِهِ لِنَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ

(البداية و النهاية/الجزء السابع/غزوة القادسية)

’’اہلِ دربار نے پوچھا کہ تم لوگ یہاں کس لیے آئے ہو؟ ربعی بن عامر نے جواب دیا: اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے تاکہ وہ جسے چاہے اُسے ہم بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں، دنیا کی تنگی سے آخرت کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لائیں۔ پس اللہ نے ہم کو اپنے دین کے ساتھ اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے تاکہ ہم لوگوں کو اس کی طرف بلائیں۔‘‘

اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ’’مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ اللّٰهِ‘‘ سے مطلق العنان اور استبدادی نظامِ حکومت وسیاست سے نجات دلانا مراد نہیں ہے؟ اور ’’وَمِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا إِلٰى وُسْعَتِهَا‘‘ میں اسلام کی جہاں گیری اور وسعت و آفاقیت کا ذکر نہیں ہے؟ اور ’’وَمِنْ جُوْرِ الْاَدْيَانِ إِلٰى عَدْلِ الْإِسْلَامِ‘‘ سے اسلام کے عادلانہ قوانین کی طرف اشارہ نہیں ہے؟

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

’’دین میں سیاست اور روحانیت دونوں کی اہمیت ہے۔ سیاست اور سلطنت کو نظرانداز کر دینا یا اسلامی معاشرہ میں اسلام کے معاشی، سیاسی اور اجتماعی قوانین کے نفاذ کی کوششوں کے تمسخر اور استہزاء کا مطلب ایک غلط تصورِ دین کا حامل ہونا ہے اور اس کج فکری کو مسلمانوں کے ذہنوں تک پھیلانا ایک محرف دین کی طرف مسلمانوں کو بلانے کے مترادف ہے۔‘‘

مزید لکھتے ہیں:

’’جب کبھی دین و سیاست میں جدائی ہوتی ہے تو دو گروہ معرضِ وجود میں آتے ہیں، ایک گروہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو دین دار تو ہوتے ہیں، لیکن قوتِ حرب و جاہ و مال سے جس کا دین خداوندی ضرورت مند ہوتا ہے، دین کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ دوسرا گروہ ایسے امراء و حکام پر مشتمل ہوتا ہے جو مال اور حربی قوت کو بروئے کار تو لاتے ہیں لیکن اس سے ان کا مقصد دین کی اقامت نہیں ہوتا۔ دونوں گروہ اسلام کے لیے بے کار ہیں۔‘‘ (السياسة الشرعية)

علامہ سید سلیمان ندویؒ اس موضوع پر رقم طراز ہیں:

’’اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت حکومت وسلطنت اور دنیا کی سیاست ہے۔ یہاں تک کہ کتاب و نبوت کی دولت کے بعد اس کا درجہ ہے۔‘‘ (سیرت النبیؐ، جلد۷، صفحہ۵)

مزید فرماتے ہیں:

’’اسلام دین و دنیا اور جنت ارضی و جنت سماوی اور آسمانی بادشاہت اور زمین کی خلافت دونوں کی دعوت کو لے کر اول ہی روز سے پیدا ہوا ہے۔ اس کے نزدیک عیسائیوں کی طرح خدا اور قیصر دو نہیں، ایک ہی شہنشاہ علی الاطلاق ہے جس کے حدودِ حکومت میں نہ کوئی قیصر ہے نہ کوئی کسریٰ۔ اس کا حکم عرش سے فرش تک اور آسمان سے زمین تک جاری ہے۔ وہی آسمان پر حکمراں ہے وہی زمین پر فرماں روا ہے۔‘‘

(سیرت النبی ﷺ، جلد۷، ص۷)

یہی اسلام کی انفرادیت ہے کہ یہ تسبیح و مناجات کے ساتھ سیاسی شوکت اور اجتماعی قوت کا ضامن ہے، اور اسی لیے اقبال نے (مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت اور قتال فی سبیل اللہ سے اعراض و انکار پر) یہ فرمایا تھا ؎

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام!

اقبال کا یہ شعر محض ایک شعر نہیں بلکہ قرآن کریم کی چند آیات کا پرتو ہے۔ مثلاً:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (المنافقون: ۸)

’’اور اللہ ہی کے لیے ہے غلبہ و عزت اور اس کے رسول کے لیے اور مؤمنین کے لیے!‘‘

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹﴾ (آل عمران)

''ہراساں اور غم زدہ مت ہو‘ تم ہی سربلند ہو گے اگر تم صاحب ایمان ہو۔''

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

''اسلام کا قانونِ شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ وامام ہونا چاہیے۔ خلیفہ سے مقصود ایسا خودمختار مسلمان سربراہ اور صاحبِ حکومت ومملکت ہے جو مسلمانوں اور ان کی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجرا و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو اور دشمنوں سے مقابلہ کے لیے پوری طرح طاقتور ہو۔''

(تحریکِ خلافت‘ از قاضی محمد عدیل عباسی‘ ص ۱۵)

اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ غلبۂ اسلام کی راہ میں خونِ شہادت کا ایک قطرہ بھی مؤمن کے معاصی کے دفتر کو دھو دیتا ہے اور قرآن مجید میں موجود وہ تمام وعدے [جن کو سمجھنے میں محترم جناب ڈاکٹر عرفان شہزاد صاحب سے غلطی سرزد ہوئی ہے] متوجہ ہوتے ہیں۔

امید قوی ہے کہ قارئین کو اس نازک رشتے اور تعلق کا احساس ہو گیا ہوگا‘ کیونکہ اسلام کی تاریخ سلطنت و مذہب کے اشتراک کی تاریخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں مکی و مدنی دونوں اندازِ زندگی جمع کر دیے گئے تھے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک میں امامت و نبوت دونوں کو اس طرح باہم جمع کر دیا گیا تھا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں: ''اسلام اور سیاست کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ناخن کو گوشت سے علیحدہ کرنا ہے''۔

ان شواہد کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی بھی صاحبِ عقلِ سلیم کے لیے اس بات کا اظہار ممکن نہیں کہ ''دین کے سیاسی غلبے‘ کے لیے جدوجہد کرنا دینی فریضہ قرار نہیں دیا جا سکتا''۔ یہ الفاظ مخصوص ذہنی تراش خراش کے بعد ہی زبان اور قلم سے ادا ہو سکتے ہیں کہ ''دین اسلام کو غالب کرنے اور سیاسی طور پر نافذ کرنے کے لیے اجتماعی کوشش دین کا ایک اضافی جزو ہے اور اس قسم کی جدوجہد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت مسلمہ کے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کیا گیا اور نہ یہ جدوجہد اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کو مشروط ہے۔''

صاحب مضمون کے پیش کردہ دلائل واستدلالات کا جائزہ

اقتباس: ''قرآن میں سیاسی جدوجہد کے نتیجے میں کیے گئے وعدے صحابہ کرامؓ کے حق میں تھے جو پورے ہوئے‘ عام مسلمان ان وعدوں کا مخاطب ہیں نہ مصداق۔''

ہر خاص و عام جانتا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا محکم پیغام قیامت تک تمام انسانوں کے لیے نورِ ہدایت ہے‘ جس کے اولین مخاطب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) تھے اور اِن ذواتِ فاضلہ کے بعد قیامت تک آنے والا ہر انسان اس پیغام کے ایک ایک حرف کا مخاطب ہے۔ یہ بات تواتر اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ قرآن مجید کی عمومیت ہی اِس کا اعجاز ہے۔ مثلاً کسی شخص کے بالغ ہونے یا غیر مسلم کے اسلام قبول کرنے کے بعد ﴿اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کا حکم دونوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ صاحب نصاب ہونے کی صورت میں ﴿اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ پر عمل کرنا لازم ہے۔ ماہِ رمضان میں ﴿اَتِمُّوا الصِّیَامَ﴾ کے حکم کا بجالانا فرض ہے۔ حج کی فرضیت کے بعد ﴿اَتِمُّوا الۡحَجَّ﴾ بیت اللہ کی زیارت اور مخصوص احکام کی بجا آوری کا تقاضا کرتا ہے۔

پھر مسلمان صرف عبادات سے متعلق احکام ہی کے پابند نہیں ہیں بلکہ قرآن حکیم میں وارد جملہ اوامر و نواہی کی پابندی بھی ان پر لازم ہے اور مسلمانوں کو اِن احکام کی بجا آوری پر انعام و اکرام اللہ تعالیٰ ہی کے شایانِ شان ہے۔ کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ آج کے مسلمانوں کو نماز پڑھنے کا تو حکم ہے‘ لیکن نماز کا ثمرہ ﴿تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ﴾ اُن کے لیے نہیں ہے! رمضان کے مہینے میں مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کر کے لمبے لمبے روزے رکھنے کے تو تمام مسلمان پابند ہیں‘ لیکن ﴿لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴾ اور ((وَاَنَا اُجۡزٰی بِہٖ)) کے مصداق صرف پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے! کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صاحب استطاعت ہونے کے بعد مسلمانوں پر مناسک حج کی بجا آوری لازمی ہے‘ لیکن ((رَجَعَ کَیَوۡمٍ وَلَدَتۡہُ اُمُّہٗ)) کی بشارت سے اُن کا اکرام نہیں کیا جائے گا! یا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صدقات و خیرات کے ذریعے مسلمانوں پر غریبوں کی مدد کرنا تو ایمان کا تقاضا ہے لیکن ﴿کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ﴾ اور ﴿وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ﴾ (البقرۃ:۲۶۱) کے وعدے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے خاص تھے۔

اگر اِن اَحکام کی تعمیل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزا اور بدلے کے تمام وعدے مسلمانوں کے لیے ہیں اور روگردانی کی صورت میں تمام وعیدات مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو پھر ایسے کون سے قاعدوں اور قوانین کے تحت مسلمانوں کی اسلام کے سیاسی غلبے کے لیے سیاسی

جدوجہد کے وعدوں کو قرنِ اولیٰ کے ساتھ مخصوص کیا جا رہا ہے؟ قرآن کی کسی بھی آیت کے مفہوم کی تخصیص یا تو قرآن کی کسی دوسری آیت کے ذریعے ممکن ہے' یا پھر خبر متواتر اور مشہور کے ذریعے تخصیص کی جا سکتی ہے' اس کے علاوہ صرف ظن و تخمین کی بنیاد پر خالص عقلی استدلالات کے ذریعے ایسی بات کرنا مسلمانوں کو غلط پٹڑی پر گامزن کرنا ہے۔ کل کو اگر کوئی شخص نبوت کا اعلان کرے اور دعویٰ کرے کہ قرآن پچھلی نسلوں کے لیے تھا اور موجودہ امت کے لیے مجھ پر وحی بھیجی جا رہی ہے تو صاحب مضمون اپنے پیش کردہ اصول کی روشنی میں قرآن کی صداقت کو کیسے ثابت کریں گے؟

اقتباس: ''زبان کا معروف اسلوب ہے کہ وعدہ اگر خاص کسی شخص یا اشخاص سے کیا جائے تو وہی اس کا مخاطب اور مصداق ہوتے ہیں..........اس کا انکار ممکن نہیں۔''

اگر کوئی شخص کسی بچے سے کہے کہ ''امتحانات میں اچھی کارکردگی دکھانے پر اُسے انعام ملے گا'' تو اِس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ بچے کو محنت کی ترغیب دی جا رہی ہے اور مطلوبہ نتائج حاصل ہونے پر اُس شخص کی طرف سے بچے کو انعام دینا لازمی ہوگا' اور اگر نہیں دے گا تو وہ اپنے وعدے میں سچا نہیں ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں' اگر احکام کی بجا آوری پر ہمیں جزا نہ بھی ملے اور اللہ کی تائید و نصرت شامل حال نہ ہو تو اعتراض نہیں کیا جا سکتا' لیکن جو ذات اپنا تعارف ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾﴾ (النساء) کے الفاظ میں کرائے' جس کی رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہو: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ﴾ (الاعراف:۱۵۶) اور جو احکام کی بجا آوری کے سلسلے میں بار بار وعدوں کی یاددہانی کرائے تو جزا اور بدلہ نہ دینا اُس کے شایانِ شان نہیں۔ دوسری بات یہ کہ مخلوق اور خالق کے درمیان کسی بھی قسم کی مماثلت کا تصور نہیں کیا جا سکتا' چہ جائیکہ اپنے وعدوں کو خدا کے وعدوں پر قیاس کیا جائے۔ اس قسم کے استدلالات مشرکین مکہ بھی کیا کرتے تھے' جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ﴾ (النحل:۷۴)۔

تیسری بات یہ کہ ایک شخص کسی بچے کو ''مکتوب'' پیش کرتا ہے' جس میں یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ''اچھی کارکردگی پر اُسے انعام دیا جائے گا''۔ بچہ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے اور وہ شخص اپنے وعدے کے مطابق بچے کو انعام سے نوازتا ہے۔ اُس کے بعد وہی ''مکتوب'' دوسرے

بچے کو پکڑاتا ہے اور دوسرا بچہ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے پر انعام کا مطالبہ کرتا ہے تو اُس شخص کے لیے یہ کہنا کس طرح صحیح اور ممکن ہو سکتا ہے کہ اِس مکتوب میں لکھا گیا وعدہ تو صرف پہلے بچے کے لیے تھا' آپ کے لیے نہیں ہے' لہٰذا آپ انعام کے مستحق نہیں ٹھہرتے۔ صاحبِ مضمون نے اِس عقلی استدلال کے ضمن میں چار آیات پیش کی ہیں:

(۱) ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾﴾ (آل عمران)

(۲) ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٥٥﴾﴾ (النور)

(۳) ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾﴾ (النحل)

(۴) ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ﴾ (النساء:۱۰۰)

پہلی آیت میں مخاطب کے صیغوں کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے' جس کا کسی بھی مفسر نے ہرگز یہ مطلب نہیں نکالا کہ اس کا مصداق صرف رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور دیگر مسلمان اِس کے نہ مصداق ہیں نہ مخاطب۔ دوسری آیت میں خطاب کے صیغے بھی مفقود ہیں اور ''مِنْكُمْ'' کا مصداق تمام اہل ایمان ہیں' نہ کہ قرآن کے اولین مخاطب —— جبکہ تیسری اور چوتھی آیت میں تو خطاب عموم کے صیغوں سے کیا گیا ہے' لیکن صاحب مضمون کو اِس میں بھی تخصیص کا مفہوم دکھائی دے تو کیا کہا جا سکتا ہے۔

اقتباس: ''قرآن مجید میں بڑی وضاحت سے یہ بات آئی ہے کہ خدا اپنے اصول کبھی نہیں بدلتا۔ اگر یہ وعدے عام مسلمانوں کے لیے بھی ہوتے تو کامیابی ان کو بھی نصیب ہوتی۔ چونکہ یہ وعدے مسلمانوں کے لیے تھے ہی نہیں اس لیے ان کے حق میں پورے نہیں ہوئے۔ خدا نے اپنا اصول نہیں بدلا۔''

''یہ وعدے عام مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ خاص ہیں'' اس دعویٰ کے لیے مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق دلیل پیش کرنا لازمی ہے۔ عقل کی بنیاد پر کسی آیت کو ایک زمانے کے ساتھ

مخصوص کر دینا ناانصافی بھی ہے اور قرآن کریم کی غلط تشریح بھی ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ وعدے مسلمانوں کے حق میں کبھی پورے نہیں ہوئے تو نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہمیں فقط محنت‘ کوشش اور جدوجہد پر مکلّف کیا گیا ہے۔ بہرحال ہجرت کے بعد ملک خداداد پاکستان کا قیام مندرجہ بالا آیت کی عملی تشریح ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے اصول کبھی نہیں بدلتا اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ ’’جو بھی ہمارے راستے میں کوشش کریں گے ہماری تائید ونصرت اور امداد اُن کے ساتھ ضرور شاملِ حال ہوگی‘‘۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۶۹﴾﴾ (العنکبوت)۔ اس آیت میں شک کی گنجائش ہے نہ تاویل کی‘ کیونکہ ’’لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ ‘‘ میں تاکیدات کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کی یقین دہانی کراتا ہے۔ اس کے علاوہ ﴿مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوۃً طَیِّبَةً ۚ وَلَنَجۡزِیَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۷﴾﴾ (النحل) میں بھی تاکیدات کو جمع کر کے عام مسلمانوں سے وعدے کو یقینی بنایا گیا ہے۔

اقتباس: **’’یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ صحابہؓ نے دشمنانِ اسلام کے خلاف جو قتال کیا‘ وہ غلبہ وحکومت کے لیے نہیں تھا‘ بلکہ خدا کے نافرمانوں کو اِتمامِ حجت کے بعد خدا کی آخری سزا دینے کے لیے اور مظلوم مسلمانوں کو ان کے پنجۂ ظلم سے چھڑانے کے لیے تھا۔‘‘**

مظلوم مسلمانوں کی طرف سے مدد کے لیے پکارنے پر لبیک کہنا ہمیشہ سے مسلمانوں کا دینی فریضہ رہا ہے اور یہی غلبہ وحکومت کی بنیاد ہے۔ اگر صرف مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنا ہی مقصود تھا تو نبی اکرم ﷺ کی حیات میں اور آپ ﷺ کے رخصت ہونے کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور اُن کے رفقاء کئی سو سال تک ریاست وحکومت کو برقرار رکھنے کی کوشش نہ کرتے‘ جبکہ گاہے بگاہے مشاجرات تک بھی نوبت پہنچ چکی تھی۔

اقتباس: **’’مسلمانوں نے دین کے نام پر غلبے کے حصول کے لیے جن مشکلات کا راستہ اپنے لیے چنا ہے‘ وہ ان کے دین کا تقاضا ہی نہیں ہے‘ کیونکہ دین کا اصل مقصد تزکیۂ نفس ہے۔‘‘**

اسلام ایک جامع دین ہے اور اس کے جامع ہونے کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت و ریاست کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ میں مرکزی حیثیت یقیناً اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگاؤ اور تعلق کو حاصل ہے اور وہ اصلاً مطلوب ہے‘ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی استواری اور پھر اس کے

بعد اسلام کے عادلانہ قوانین کے نفاذ کے لیے اختیار اور طاقت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ اس کے لیے بھی سعی وکاوش ایک دینی ضرورت ہے۔ حکومت کے بغیر نہ تو زمین میں فتنہ وفساد کو دفع کیا جا سکتا ہے اور نہ اللہ کے بندوں کے درمیان عدل وانصاف اور امن وامان کا قیام ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان خلیفۃ اللہ ہے اور اس کا مقصدِ زندگی عبادت ہے۔ عبادت کے صرف داخلی تقاضوں کو پورا کرنا اور تسبیح ومناجات میں مشغولیت کو کافی سمجھ لینا‘ ملت کے اجتماعی مسائل سے روگردانی اور عبادت کے خارجی تقاضوں کو‘ جن کا تعلق خاکدانِ ارضی پر احکامِ الٰہی کے نفاذ اور غلبۂ اسلام سے ہے‘ بالکلیہ نظرانداز کر دینا اور ان کو اہمیت نہ دینا اور اس میدان میں کام کرنے والوں کی حوصلہ شکنی یا تحقیر کرنا دین کے متوازن تصور کے خلاف ہے۔ عبادت کے داخلی تقاضے جوہر اور اصل کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسلامی حکومت کا قیام اور دین کے قوانین عدل کا نفاذ اس کے لیے وسیلے کا درجہ رکھتے ہیں‘ اس لیے وہ بھی مطلوب ہیں۔ وسیلے اور مقصد کے اس فرق کو آشکارا کرنے کے لیے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوۃَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۱﴾﴾ (الحج)

وسیلے اور مقصد کے اِس فرق پر مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے بھی اپنی کتاب ’’ارکانِ اربعہ‘‘ میں یوں روشنی ڈالی ہے:

> ’’انسان کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اس زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے۔ چونکہ وہ اللہ کا خلیفہ ہے اس لیے اس کے اندر ذوقِ علم‘ شوقِ جستجو اور زمین کے خزینوں اور دفینوں سے فائدہ اٹھانے اور ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی صلاحیت بخشی گئی اور تعلیم اسماء کا امتیاز اسے عطا کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں انسان مسلسل رکوع وسجود اور مسلسل تسبیح وذکر کا پابند نہیں‘ اگر وہ اس کی کوشش کرے گا تو اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے اپنی ناکامی کا ثبوت فراہم کرے گا۔‘‘

اس موضوع پر سید سلیمان ندویؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ’’سیرت النبی ﷺ‘‘ میں یوں رقمطراز ہیں:

> ’’اسلام کے سارے دفتر میں ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ قیامِ سلطنت اس دعوت کا اصل مقصد تھا اور عقائد وایمان‘ شرائع واحکام اس کے لیے

بمنزلہ تمہید تھے‘ بلکہ جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرائع اور حقوق و فرائض ہی اصل مطلوب تھے اور ایک حکومت صالحہ کا قیام ان کے لیے وجہ اطمینان اور سکونِ خاطر کا باعث ہے تاکہ وہ احکامِ الٰہی کی تعمیل بآسانی کر سکیں۔ اس لیے وہ بھی عرضاً مطلوب ہے۔‘‘ (سیرت النبیؐ‘ جلد ۷‘ ص ۶)

قرآن حکیم میں سلطنت کے ملنے کو عزت اور سلطنت کے چھن جانے کو ذلت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۶﴾ (آل عمران)

‘‘کہہ دو: اے اللہ! حکومتوں کے مالک‘ تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے‘ تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے‘ اور تیرے ہی قبضے میں ہر قسم کا خیر ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

اس آیت میں عزت و ذلت سے مراد سلطنت کا ملنا اور سلطنت کا چھن جانا ہے۔ بلاغت کی اصطلاح میں اسے لف ونشر مرتب کہتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات میں نبوت و ہدایت کے بعد حکومت و سلطنت کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝۵۴﴾ (النساء)

‘‘کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے فضل پر لوگوں (نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ) سے حسد کرتے ہیں؟ حالانکہ ہم نے ابراہیمؑ کی اولاد کو بھی کتاب‘ حکمت اور عظیم بادشاہت عطا کی تھی۔‘‘

خلاصۂ کلام

خلاصۂ بحث یہ کہ دین میں حکومت کا قیام مقصود بالذات نہیں ہے۔ جن لوگوں نے دین کی تشریح اس انداز میں کی ہے کہ تمام پیغمبروں کو خدائی فوجدار بنا کر بھیجا گیا تھا اور ان کا مشن یہ تھا کہ وہ دوسروں سے اقتدار کی کنجیاں چھین لیں‘ وہ تشریح کے معاملے میں عدمِ توازن کا شکار

ہوئے ہیں۔ قرآن و سنت میں اس بات کی صراحت نہیں ملتی۔ غور کیجیے تو اس میں حکمت کا پہلو ہے اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص شفقت نظر آتی ہے۔ اگر اس کی صراحت کر دی جاتی تو کسی ملک میں دو مسلمان بھی پائے جاتے تو حکومت کا قیام ان پر فرض ہو جاتا اور ان کے لیے یہ کام ضروری ہو جاتا خواہ اس کے لیے ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ اسی طرح سے وہ لوگ بھی عدمِ توازن کا شکار ہوئے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے تھے‘ اس لیے مسلمانوں کے لیے حکومت قائم کرنے کی کوشش غیر مشروع ہے۔

قرآن کریم میں غلبہ و اقتدار کو پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی بڑی آرزو اور تمنا کے طور پر ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳﴾ (الصف)

‘‘اور ایک دوسری چیز بھی دے گا‘ جسے تم عزیز رکھتے ہو‘ مدد اللہ کی اور فتح قریب۔ اور خوشی سنا دو ایمان والوں کو۔‘‘

نصوصِ قرآن و حدیث سے اقتدار اور غلبہ کے حصول کے اشارے ملتے ہیں۔ سیرتِ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور تاریخ سے ثابت ہے کہ اس کے لیے مواقع کو استعمال کیا گیا ہے اور اسی لیے علماء اور ائمہ کرام نے اس کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے اور نظامِ عدل کے قیام اور مظالم کے سدباب کو ضروری قرار دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ’’حجۃ اللہ البالغہ‘‘ میں لکھا ہے:

‘‘نبی کریم ﷺ کی بعثت ملت و مدن‘ دونوں قسم کے مصالح کی تدبیر و انتظام کے لیے ہوئی تھی‘ اور چونکہ امام ان کا نائب اور ان کے امر کو نافذ کرنے والا ہوتا ہے‘ اس لیے یہ دونوں کام اس کے لیے ضروری ہیں اور نبی ﷺ کی اطاعت کی طرح اس کی اطاعت بھی واجب ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ دین کی صحیح سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور اپنی غلطی کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

تصویر سازی

حافظ سید اسامہ علی ☆

جدید دور کو بجا طور پر خلوت کے خاتمے کا دور کہا جا سکتا ہے‘ جہاں ہر انسان ہر وقت ہر ایک کی نظروں میں رہتا ہے۔ اس مرئیت کو ممکن بنانے میں جدید ٹیکنالوجی اور ڈیجیٹل فوٹوگرافی کا ہاتھ ہے‘ جس کی بدولت مواصلات کا نظام برق رفتار ہو گیا ہے اور فاصلے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔ جہاں باطل قوتوں نے اس کے ذریعے دنیا بھر میں فحاشی و عریانی کا ایک سیلاب پھیلایا وہیں داعیانِ دین کی ایک بڑی تعداد نے اس راستے کو ابلاغ و اشاعتِ دین کے لیے بھی استعمال کرنا شروع کر دیا۔

قدیم طرز کی تصویر سازی (ہاتھ سے بنائی گئی تصاویر) کی حرمت کے بارے میں نصوصِ شرعیہ بہت واضح ہیں۔ البتہ علمائے امت کے مابین جدید طرز کی تصویر سازی کے بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم قرآن و حدیث کی نصوص اور اقوالِ سلف رحمہم اللہ کی روشنی میں تصویر سازی کی شرعی حیثیت کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ **وما توفیقی الا باللّٰہ!**

قرآن کریم میں تصاویر کا ذکر

﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ﴾ (سبا:۱۳)

’’وہ (جنات) حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو وہ چاہتے بنا دیا کرتے تھے‘ اونچی اونچی عمارتیں‘ تصویریں‘ حوض جیسے بڑے بڑے لگن اور زمین میں جمی ہوئی دیگیں۔‘‘

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں تفصیلاً رقم طراز ہیں:

☆ استاذ و معتمد‘ قرآن اکیڈمی یٰسین آباد و ناظم تربیت تنظیم اسلامی‘ حلقہ کراچی شمالی

’’تماثیل‘ تمثال کی جمع ہے۔ قاموس میں ہے کہ تمثال بفتح التاء مصدر ہے اور بکسر التاء تمثال تصویر کو کہا جاتا ہے۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ تمثال یعنی تصویر دو طرح کی ہوتی ہے‘ ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر‘ دوسری غیر ذی روح بے جان چیزوں کی۔ پھر بے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں: ایک جماد جس میں زیادتی اور نمو نہیں ہوتا‘ جیسے پتھر مٹی وغیرہ‘ دوسری نامی جس میں نمو اور زیادتی ہوتی رہتی ہے‘ جیسے درخت اور کھیتی وغیرہ۔ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ اول تو لفظ تماثیل کے عموم ہی سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں‘ بلکہ ہر قسم کے لیے عام تھیں۔ دوسرا‘ تاریخی روایات میں تخت سلیمان علیہ السلام پر پرندوں کی تصاویر ہونا بھی مذکور ہے۔ آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جانداروں کی تصاویر بنانا اور استعمال کرنا حرام نہیں تھا‘ مگر چونکہ پچھلی امتوں میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ لوگوں کی تصاویر ان کی یادگار کے طور پر بنائی گئیں اور ان کو اپنے عبادت خانوں میں اس غرض کے لیے رکھا گیا کہ ان کو دیکھ کر ان کی عبادت گزاری کا نقشہ سامنے آئے تو خود ہمیں بھی عبادت کی توفیق ہو جائے گی‘ مگر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے انہی تصویروں کو اپنا معبود بنا لیا‘ اور بت پرستی شروع ہو گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی اُمتوں میں جانداروں کی تصاویر بُت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔ شریعت اسلام کے لیے چونکہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیر الٰہی ہے‘ اس لیے اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام چیزوں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے‘ اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا گیا ہے۔ اصل جرم عظیم شرک و بُت پرستی ہے‘ اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بُت پرستی آ سکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھا دیا گیا اور بُت پرستی کے ذرائع اور اسبابِ قریبہ کو بھی حرام کر دیا گیا۔ ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا اسی اصول کی بنا پر حرام کیا گیا‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید‘ فروخت‘ اس کو لانے لے جانے کی مزدوری اور اس کی صنعت‘ سب حرام کر دی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔ چوری حرام کی گئی تو کسی کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا‘ بلکہ باہر سے جھانکنا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ زنا حرام کیا گیا‘ تو غیر محرم کی طرف بالقصد نظر کرنے کو بھی حرام کر دیا گیا۔ شریعت اسلام میں اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تصاویر کو جس حیثیت سے

استعمال کیا جاتا تھا وہ ذریعہ بُت پرستی بن سکتی تھیں۔ لیکن آج کل تصویر سے جس طرح کے کام لیے جاتے ہیں‘ مثلاً ملزموں کی شناخت‘ تجارتوں کے خاص مارک‘ دوستوں عزیزوں سے ملاقات‘ واقعات و حالات کی تحقیق میں امداد وغیرہ‘ جس کی وجہ سے وہ ضروریاتِ زندگی میں داخل کر لی گئی ہیں‘ اس میں بُت پرستی اور عبادت کا کوئی تصور دور دور تک نہیں‘ تو یہ ممانعت جو بُت پرستی کے خطرے سے کی گئی تھی اب مرتفع ہو جانی چاہیے۔ جواب یہ ہے کہ اولاً یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ آج کل تصویر ذریعہ بت پرستی نہیں رہی‘ آج بھی کتنے فرقے اور گروہ ہیں جو اپنے پیروں کی تصویر کی پوجا پاٹ کرتے ہیں‘ ثانیاً جو حکم کسی علت پر دائر ہو‘ یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر فرد میں پایا جائے۔ اس کے علاوہ تصویر کی ممانعت کا سبب صرف ایک یہی نہیں کہ وہ بُت پرستی کا ذریعہ ہے‘ بلکہ احادیث صحیحہ میں اس کی حرمت کی دوسری وجوہ بھی مذکور ہیں: مثلاً یہ کہ تصویر سازی حق تعالیٰ کی صفت خاص کی نقالی ہے۔ ’’المصوّر‘‘ حق تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے اور صورت گری درحقیقت اسی کے لیے سزاوار ہے‘ اور اسی کی قدرت میں ہے کہ مخلوقات کی ہزاروں اجناس اور انواع اور ہر نوع میں اس کے کروڑوں افراد ہوتے ہیں‘ ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی‘ انسان ہی کو لے لو تو مرد کی صورت اور عورت کی صورت میں نمایاں امتیاز‘ پھر عورتوں اور مردوں کے کروڑوں افراد میں دو فرد بالکل یکساں نہیں ہوتے۔ ایسے کھلے ہوئے امتیازات ہوتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو کسی تامل اور غور و فکر کے بغیر ہی امتیاز واضح ہو جاتا ہے۔ یہ صورت گری اللہ رب العزت کے سوا کس کی قدرت میں ہے؟ جو انسان کسی جاندار کا مجسمہ یا نقوش اور رنگ سے اس کی تصویر بناتا ہے وہ گویا عملی طور پر اس کا مدعی ہے کہ وہ بھی صورت گری کر سکتا ہے۔ اسی لیے صحیح بخاری وغیرہ کی احادیث میں ہے کہ قیامت کے روز تصویریں بنانے والوں کو کہا جائے گا کہ جب تم نے ہماری نقل اتاری تو اس کو مکمل کر کے دکھلاؤ‘ اگر تمہارے بس میں ہو‘ کہ ہم نے تو صرف صورت ہی نہیں بنائی اس میں روح بھی ڈالی ہے‘ اگر تمہیں اس تخلیق کا دعویٰ ہے تو اپنی بنائی ہوئی صورت میں روح بھی ڈال کر دکھلاؤ۔

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیث صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے‘ جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں‘ اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے‘ جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی ہے‘ گھر میں بسنے والوں کو عبادت و اطاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ ’’خانہ خالی را دیو می گیرد‘‘ یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کر لیتے

ہیں۔ جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اور ان کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور پھر ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔ ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں دنیا کی زائد از ضرورت زینت ہیں اور اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں‘ ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی انہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں۔ غرض شریعت اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں‘ بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعے سے قانونِ شرعی نہیں بدل سکتا۔‘‘(۱)

حضرت مفتی صاحبؒ کی اس جامع تقریر سے دین میں مسئلہ تصویر سازی کی حساسیت منقح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں تصاویر کا تذکرہ

تصویریں بنانے پر اللہ کا عذاب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ)) (۲)

’’قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عذاب تصویریں بنانے والوں کو ہوگا۔‘‘

تصویروں کی ممانعت کے اسباب

(۱) مضاهاة الخالق (خالق کی نقالی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ))(۳)

’’جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے پیدا کیا ہے اس میں جان ڈالو!‘‘

حضرت ابوزرعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کے ایک مکان میں داخل ہوا‘ دیکھا کہ اس کے اوپر ایک مصوّر تصویریں بنا رہا ہے تو انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي، فَلْيَخْلُقُوا حَبَّةً وَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً))(۴)

''اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو میرے پیدا کرنے کی طرح پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا ہے تو ایک دانہ پیدا کر کے دکھائے اور ایک ذرہ پیدا کر کے دکھائے۔''

(۲) فرشتوں کے داخلے میں رکاوٹ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے واسطے ایک چھوٹا سا تکیہ بھر دیا جس میں تصویریں تھیں۔ پس آپ ﷺ تشریف لائے تو دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم سے کیا خطا ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تکیہ کیسا ہے؟'' عرض کیا کہ یہ تکیہ میں نے آپ ﷺ کے لیے بنایا ہے کہ آپ ﷺ اس پر سر رکھ کر لیٹیں۔ فرمایا:

((اَمَا عَلِمْتِ اَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ، وَاَنَّ مَنْ صَنَعَ الصُّورَةَ يُعَذَّبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ اَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ))(۵)

''کیا تم نہیں جانتیں کہ (رحمت کے) فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو، اور جو تصویریں بنائے تو قیامت کے دن اسے (سخت) عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ جو (تصویر) تم نے بنائی ہے اسے زندہ کرو۔''

حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک تکیہ خریدا جس پر تصویریں تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے، اندر نہیں گئے۔ میں نے آپ ﷺ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات پائے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اللہ کے حضور توبہ کرتی ہوں، میں نے کون سا قصور کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا هٰذِهِ النُّمْرُقَةُ)) ''یہ تکیہ کیسا ہے؟'' عرض کیا کہ میں نے اس کو خریدا ہے تاکہ آپ ﷺ اس پر بیٹھیں اور ٹیک لگائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: اَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ، وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ الصُّورَةُ))(۶)

''ان تصویروں کے بنانے والے قیامت کے دن عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس میں جان ڈالو۔ اور فرمایا کہ جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

حرمت سے استثناء کی بعض صورتیں

(۱) سر کٹی تصاویر / روندی جانے والی تصاویر

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے رسول کریم ﷺ سے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آ جائیے! انہوں نے فرمایا: میں کیسے آ جاؤں، اس جگہ تو پردہ لٹکا ہوا ہے جس پر تصاویر ہیں، آپ یا تو ان تصاویر کا سر قلم کر دیجیے یا ان (چادروں) کو بچھا دیجیے تاکہ وہ تصاویر روندی جائیں، کیونکہ ہم فرشتے اس جگہ پر نہیں جاتے جہاں پر تصاویر ہوں۔(۷)

(۲) کپڑوں / پردوں کے نقش و نگار

حضرت بسر ؒ کا بیان ہے کہ حضرت زید بن خالد ؓ بیمار ہوئے تو ہم ان کی عیادت کو گئے۔ ان کے دروازے پر ایک پردہ لٹکا ہوا دیکھا جس میں تصویریں تھیں۔ میں نے عبیداللہ ؒ سے جو زوجہ نبی ﷺ حضرت میمونہ ؓ کے پروردہ تھے، کہا کہ کیا حضرت زید ؓ نے پہلے دن ہمیں تصویروں کے متعلق خبر نہیں دی تھی؟ عبیداللہ ؒ نے کہا کہ کیا تم نے ان کو کپڑوں کے نقش و نگار کو مستثنیٰ کرتے ہوئے نہیں سنا؟(۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ اپنے رسالے ''تصویر کے شرعی احکام'' میں اس حدیث مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں تصویر سے ایک استثناء بلفظ 'رقم فی الثوب' مذکور ہے۔ فتح الباری میں امام نووی ؒ اور عمدۃ القاری میں امام خطابی ؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ رقم سے مراد بے جان چیزوں، درختوں وغیرہ کے نقوش و اشکال ہیں۔''(۹)

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ ؒ کہتے ہیں کہ وہ حضرت ابوطلحہ ؓ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے تو ان کے پاس حضرت سہل بن حنیف ؓ بھی موجود تھے۔ حضرت ابوطلحہ ؓ نے ایک شخص کو بلایا اور کہا کہ نیچے سے چادر نکال لو۔ حضرت سہل ؓ نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ اس میں تصویریں ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ حضرت سہل ؓ نے کہا: کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کپڑے میں نقش ہوں ان کی اجازت ہے؟ حضرت ابوطلحہ ؓ نے فرمایا: ہاں صحیح ہے،

لیکن میرے نزدیک یہ زیادہ فرحت بخش ہے (یعنی یہ تقویٰ ہے۔)‘‘(۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا‘ اسے انہوں نے اپنے گھر کے ایک گوشے میں ڈال لیا تھا‘ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَمِیطِیْ عَنِّیْ، فَاِنَّہٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِیْرُہٗ تَعْرِضُ لِیْ فِیْ صَلَاتِیْ))(۱۱)

’’میرے سامنے سے یہ پردہ ہٹا دو‘ اس لیے کہ اس کی تصویریں نماز میں مسلسل میرے سامنے آتی رہتی ہیں۔‘‘

(۳) بے جان اشیاء کی تصویریں

حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: میں مصور ہوں اور تصویریں بناتا ہوں۔ آپ اس بارے میں مجھے فتویٰ دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آدمی سے فرمایا: میرے قریب ہوجا‘ وہ آپ کے قریب ہوگیا‘ پھرانہوں نے کہا کہ میرے قریب ہوجا‘ تو وہ قریب آیا یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر فرمایا: میں تجھ سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ، یَجْعَلُ لَہٗ بِکُلِّ صُوْرَۃٍ صَوَّرَھَا نَفْسًا فَتُعَذِّبُہٗ فِیْ جَھَنَّمَ))

’’ہر تصویر بنانے والا دوزخ میں جائے گا‘ اور ہر تصویر کے بدلے میں ایک جاندار آدمی بنایا جائے گا جو اسے جہنم میں عذاب دے گا۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’اگر تمہیں اس طرح کرنے پر مجبوری ہے تو بے جان چیزوں اور درخت وغیرہ کی تصویریں بناؤ‘‘۔ نصر بن علی نے اس کی توثیق کی۔(۱۲)

اقوالِ فقہاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم

وقالوا کرہ رسول اللّٰہ ﷺ ما کان سترا ولم یکرہ ما یداس علیه ویوطأ، وبهذا قال سعد بن ابی وقاص وسالم وعروة وابن سیرین وعطاء وعکرمة، وقال عکرمة فیما یوطأ من الصور هوان لها، وهذا اوسط المذاهب، وبه قال مالك والثوری وابو حنیفة والشافعی (۱۳)

’’حضرات صحابہ وتابعین نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تصاویر کو ناجائز قرار دیا ہے جو پردے کی صورت میں معلق (اور کھڑی) ہوں‘ اوران تصاویر کو ناجائز نہیں کیا جو

پامال ہوں اور ان پر بیٹھا یا لیٹا جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ‘ حضرت سالم بن عبداللہ‘ حضرت عروہ‘ حضرت ابن سیرین‘ حضرت عطاء اور حضرت عکرمہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ جو تصاویر پاؤں میں روندی جائیں یہ ان کی ذلت ہے اور یہ بہتر مسلک ہے۔ امام مالک‘ حضرت سفیان ثوری‘ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔‘‘

قال اصحابنا وغیرهم تصویر صورة الحیوان حرام اشد التحریم وهو من الکبائر وسواء صنعه لما یمتهن او لغیره فحرام بکل حال لان فیه مضاهاة لخلق اللّٰه، وسواء کان فی ثوب او بساط او دینار او درهم او فلس او اناء او حائط، واما ما لیس فیه صورة حیوان کالشجر ونحوه فلیس بحرام وسواء کان فی هذا کله ما له ظل وما لا ظل له، وبمعناه قال جماعة العلماء مالك والثوری وابو حنیفة وغیرهم (۱۴)

’’ہمارے فقہاء وغیرہم نے فرمایا ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام اور انتہائی حرام ہے‘ اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے‘ خواہ ایسی تصویریں ہوں جن کو عام طور پر عزت وشرف سے نہیں بلکہ بے وقعت رکھا جاتا ہے یا ایسی نہ ہوں۔ پس وہ بہرحال حرام ہے اس لیے کہ اس میں مشابہت خلق اللہ ہے اور برابر ہے کہ وہ تصویر کپڑے میں ہو یا فرش میں‘ دینار ودرہم اور پیسوں میں ہو یا برتنوں اور دیواروں میں‘ اور برابر ہے کہ وہ مجسم مورت ہو جس کا سایہ پڑتا ہے یا محض نقش ورنگ کی صورت میں ہو‘ اور جہاں تک ان تصاویر کا تعلق ہے جن میں حیوان کی شکل نہ ہو جیسے درخت وغیرہ تو وہ حرام نہیں۔ جماعتِ علماء‘ خصوصاً امام مالک‘ سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ وغیرہم نے یہی فرمایا ہے۔‘‘

تصاویر کی جدید صورت: فوٹوگرافی

مغرب کے صنعتی ومشینی انقلاب کے نتیجے میں ہر شعبے میں جوہری تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ دستی صنعت کو مشینوں نے فرسودہ ومتروک بنادیا اور ہر شے ایک نئے نام کے ساتھ منظر عام پر آئی۔ قدیم زمانے میں شراب ہاتھ سے بنائی جاتی تھی‘ اس صنعتی انقلاب کے بعد شراب کشید کرنے کا کام مشینوں سے باسہولت کرلیا جاتا ہے۔ یہی معاملہ صنعت تصویر سازی کا ہے‘ کہ اب فوٹوگرافی کے نام سے ایک پوری انڈسٹری کھڑی کردی گئی ہے۔ جدید دور کو Age of Visibility کہا جاتا ہے‘ جہاں ہر شخص ہر وقت ہر ایک کی نظروں میں ہے اور یہ اسی کیمرے

کی آنکھ کے مرہونِ منت ہے۔ جدید میڈیا اسی انڈسٹری کی بنیاد پر دیوہیکل عفریت کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ دستی تصویر کی حرمت پر تو درج بالا سطور میں سیر حاصل کلام ہو چکا ہے۔ فوٹو گرافی سے بننے والی تصاویر کے مجوزین کا کہنا ہے کہ جس طریقے سے آئینے یا پانی پر عکس اور سایہ پڑتا ہے' اسی طرح کیمرے کے لینز پر عکس اور ظل پڑتا ہے' جس کو مختلف ذریعوں سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس پر ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ جبکہ دوسری طرف جمہور فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ جدید تصویر بھی دستی تصویر کے حکم میں داخل ہے' اور اپنے مقاصد کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ذیل میں دونوں نقطہ ہائے نظر پیش کیے جا رہے ہیں:

ڈیجیٹل تصویر کے جواز کا موقف

تصاویر کی حرمت کے حوالے سے علمائے دین کا اتفاق چلا آ رہا تھا' البتہ گزشتہ صدی کے اواخر میں چند اہم اہل علم نے جواز کی رائے ظاہر فرمائی ہے۔ چونکہ وطن عزیز پاکستان میں اس رائے کا اظہار دار العلوم کراچی کے اہل افتاء کی جانب سے کیا گیا' اور اس حوالے سے سب سے مضبوط آواز بھی اس ادارے ہی کی سمجھی جاتی ہے' لہٰذا ذیل میں ہم ان کے موقف کو اقتباساً پیش کر رہے ہیں:

''عکسی تصاویر (فلم فوٹو) کا حکم:

اس بارے میں معاصر علماء میں اختلاف ہے' چنانچہ مفتی مصر شیخ علامہ محمد بخیت رحمۃ اللہ علیہ نے **الجواب الشافی فی اباحة التصویر الفوتوغرافی** کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ فوٹو گرافی تصویر در حقیقت حبس ظل ہے۔ اس صنعت کے ماہرین نے مخصوص طریقے سے اس ظل کو محفوظ کر لیا ہے' یہ وہ تصویر نہیں ہے جو شرعاً منہی عنہ ہے۔ لیکن عرب ممالک کے بہت سے علماء اور ہندوستان کے تمام علماء یا ان کی بڑی تعداد نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عکسی تصویر اور ہاتھ سے نقش کی ہوئی تصویر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جہاں تک ضرورت کے لیے تصویر کھنچوانے کا تعلق ہے' جیسے پاسپورٹ یا ویزے کے حصول کے لیے یا ایسے مواقع پر تصویر کھنچوانا جہاں انسان کے چہرے کی شناخت ضروری ہو' ان ضروریات کے لیے تصویر کھنچوانے کی اجازت دینا مناسب معلوم ہوتا ہے' اس لیے کہ فقہاء رحمہم اللہ نے بھی ضرورت کے مواقع پر حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے' چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ''سیر کبیر'' میں فرماتے ہیں: اگر کسی ایسے ہتھیار کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آ جائے جس پر تصویر بنی ہوئی ہو تو اس کے استعمال

کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک ٹی وی اور ویڈیو کا تعلق ہے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں آلات جن بے شمار منکرات مثلاً بے حیائی' فحاشی' عورتوں کا زیب و زینت کے ساتھ یا نیم برہنہ حالت میں سامنے آنا اور اس کے علاوہ فسق و فجور کے دوسرے اسباب پر مشتمل ہیں' ان پر نظر کرتے ہوئے ان آلات کا استعمال حرام ہے۔ لیکن یہ دونوں آلات مندرجہ بالا تمام منکرات سے بالکل خالی ہوں تو کیا ان پر نظر آنے والی تصویر پر تصویر کا حکم لگا کر یہ کہا جائے گا کہ تصویر ہونے کی بنیاد پر ان کو دیکھنا حرام ہے؟ احقر کو اس بارے میں تامل ہے' اس لیے کہ وہ تصویر حرام ہے جو اس طرح منقش ہو یا اس طرح تراشی گئی ہو کہ وہ تصویر کسی چیز پر ثابت اور مستقر ہو جائے اور کفار عبادت کے لیے اس طرح کی تصاویر استعمال کیا کرتے تھے۔ لیکن وہ تصویر جس کو قرار اور ثبات حاصل نہیں ہے' اور وہ تصویر جو کسی چیز پر مستقل طور پر نقش نہیں' تصویر سے زیادہ سائے سے مشابہ ہے —— اور جس صورت میں تصاویر کو ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے' اس صورت میں بھی اس کیسٹ کے فیتے پر تصویر منقش نہیں ہوتی' بلکہ وہ بجلی کے ذرات ہوتے ہیں جن میں کوئی تصویر نہیں ہوتی۔ البتہ جب وہ ذرات اسکرین پر ظاہر ہوتے ہیں تو دوبارہ اپنی اصلی ترتیب سے ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں' لیکن اسکرین پر ان کو ثبات اور استقرار حاصل نہیں ہوتا' بلکہ ایک مرتبہ ظاہر ہونے کے بعد فنا ہو جاتے ہیں' لہٰذا کسی بھی مرحلے پر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ تصویر کسی دائمی چیز پر ثابت ہو کر منقش ہو گئی ہو۔ بہر حال اس تصویر پر ثابت اور مستقر تصویر کا حکم لگانا مشکل ہے۔''(۱۵)

معلوم ہوا کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ کے نزدیک ڈیجیٹل کیمرے میں محفوظ شعاؤں کی صورت میں تصویر اس وقت تک حرام نہیں ہے جب تک اسے منقش (print) نہ کر لیا جائے۔

اسی ضمن میں عالم عرب کی مایہ ناز شخصیت علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی صاحب حفظہ اللہ نے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''در حقیقت کسی کی تصویر لینا تخلیق نہیں ہوتا جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے' بلکہ یہ تو انسان کے عکس کو کاغذ کے ٹکڑے میں محفوظ کرنے کا عمل ہے۔ اس لیے عربی زبان میں اسے 'عکس'' بھی کہتے ہیں اور تصویر لینے والے کو ''عکاس'' کہتے ہیں۔ کیوں کہ وہ انسان یا کسی بھی شے کے عکس کو محفوظ کرتا ہے' ویسے ہی جیسے یہ کام آئینہ انجام دیتا ہے۔ یہ وہ کام نہیں ہے جیسا کہ فنکار پتھروں کو تراش کر اسٹیچو بناتے ہیں اور خدا کی تخلیق سے

مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ’یَخْلُقُ کَخَلْقِی‘ یعنی خدا اس فنکار کے بارے میں کہے گا کہ یہ تو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے چلا ہے اور یہ عمل اس کے لیے باعث عذاب ہوگا۔ شیخ محمد بخیت ﷾ کے اس فتوے سے متعدد علماء متفق ہیں اور میرا رجحان بھی اسی فتوے کی طرف ہے۔ چنانچہ میری رائے یہ ہے کہ تصویر لینے میں کوئی حرمت نہیں ہے بشرط یہ کہ وہ تصویر بذاتِ خود حلال ہو‘ یعنی کسی برہنہ یا نیم برہنہ عورت کی تصویر نہ ہو یا ایسے مناظر کی تصویر نہ ہو جو شرعاً جائز نہیں ہیں۔ البتہ اگر کوئی اپنی یا اپنی اولاد کی‘ دوستوں کی‘ فطری مناظر کی یا کسی تقریب کی تصویر لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض ایسے ناگزیر حالات ہیں جن میں متفقہ طور پر تمام علماء نے تصویر لینے کو جائز قرار دیا ہے مثلاً پاسپورٹ وغیرہ کے لیے۔‘‘(۱۶)

ڈیجیٹل فوٹوگرافی کی حرمت کے بارے میں جمہور کا موقف

مفتی سید نجم الحسن امروہوی صاحب ﷾ (رئیس دارالافتاء جامعہ دارالعلوم یٰسین القرآن نارتھ کراچی) نے مسئلہ زیر گفتگو پر مفصّل فتویٰ تحریر فرمایا اور ہندوستان اور پاکستان کے تمام چوٹی کے مدارس اور دارالعلوم نے اس فتوے کی تصویب کی۔ فتوے کی طوالت کے پیش نظر یہاں محض خلاصۃً چند نکات درج کیے جا رہے ہیں:

☆ مجوزین کی جانب سے دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر ڈیجیٹل کیمرے میں موجود شعاؤں اور برقی اعداد (Binary Digits 1-0) کا جائزہ لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک ان شعاؤں اور اعداد کو پرنٹ نہ کر لیا جائے اس وقت تک وہ حرام نہیں ہیں۔ جبکہ مفتی محمد شفیع صاحب ؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب ؒ دونوں نے اس بات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ چاہے کسی بھی ذریعے سے تصویر کو شائع یا پائیدار بنا لیا جائے وہ حرام ہی شمار ہوگی۔ حرمت تصویر میں ان کی حفاظت بھی داخل ہے‘ چاہے صورت کوئی بھی ہو۔

☆ شریعتِ مطہرہ نے بعض اعمال و افعال ہی کو حرام نہیں قرار دیا بلکہ ان کے ذرائع کو بھی حرام کیا ہے (سَدًّا لِلذَّرِیعة) جیسے حکم ہوا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ (بنی اسراء یل : ۳۲) ’’زنا کے قریب بھی نہ جاؤ‘‘۔ گویا وہ تمام ذرائع جو حرام کا ذریعہ بنیں‘ خود بھی حرام ہیں۔ اسی طرح ڈیجیٹل کیمرے میں شعائیں اور برقی اعداد ہی تصویر سازی کا ذریعہ بنتی ہیں‘ لہٰذا یہ بھی سَدًّا لِلذَّرِیعة حرام ہیں۔ (اس پر سیر حاصل گفتگو سورۂ سبا کی آیۂ مبارکہ کی تشریح میں حضرت مفتی

محمد شفیع صاحب ؒ کی زبانی اوپر درج کی جا چکی ہے)

☆ فرع پر حرمت کا حکم اس کی اصل کو بھی حرام کر دیتا ہے۔ جیسے حالت احرام میں کسی پرندے کے شکار سے دم واجب آتا ہے‘ اسی طرح اس پرندے کے انڈے کو توڑ دینے پر بھی دم لازم ہے‘ کیوں کہ اسی انڈے سے مستقبل میں پرندہ برآمد ہوگا۔ ڈیجیٹل کیمرے سے حاصل ہونے والی تصویر کے لیے شعائیں اور برقی اعداد ہی اصل ہیں‘ لہٰذا اگر منقش تصویر حرام ہے تو اس کی اصل بھی حرام ہے۔

☆ علامہ ابن نجیم ؒ الأشباہ و النظائر میں یہ اصول بیان کرتے ہیں: **اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام** ’’جب حلال و حرام کسی چیز میں جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہوگا۔‘‘

☆ ٹی وی کی اسکرین یا سینما کے پردے پر ظاہر ہونے والی تصاویر کی حرمت پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب ؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ متفق ہیں۔(۱۷)

جامعہ اسلامیہ مخزن العلوم کے شیخ الحدیث مولانا کمال الدین المسترشد صاحب اپنی کتاب ’’شعاعی تصویر کی حقیقت اور شرعی حیثیت‘‘ میں ہاتھ سے بنائی گئی تصاویر اور کیمرے کے فوٹو میں فرق کرنے کو غلط فہمی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

’’مجوزین کو اس سلسلے میں غلط فہمی ہوئی ہے‘ وہ ہاتھ کی بنائی تصویر اور کیمرے کے فوٹو میں فرق کرتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو وہی سابقہ وجہ بتلاتے ہیں کہ مشینی فوٹو عکس ہے تصویر نہیں۔ اس کا جواب مکرر گزرا ہے کہ عکس الگ چیز ہے اور تصویر الگ‘ عکس کو کوئی سائنسدان تصویر نہیں کہتا‘ بلکہ عکس وہ مجازی شبیہ کہلاتا ہے جس کو پردے پر حاصل نہ کیا جا سکے۔ لہٰذا اس کو شیشے اور پانی والے عکس پر قیاس کرنا عکس کے اصول سے ناواقفیت کی علامت ہے — عکس درحقیقت نظر کا دھوکہ ہوتا ہے۔

دوسرا شبہ ان کو یہ ہوا کہ فوٹو گرافر تصویر نہیں بناتا بلکہ وہ تو صرف ایک بٹن دباتا ہے۔ لہٰذا یہ وعید صرف اس کو شامل ہوگی جو اپنے ہاتھ سے تصویر بنائے‘ نہ کہ فوٹو گرافر اور کیمرہ مین کو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ساری مشینوں کا حکم ہاتھ کے برابر ہے تو فوٹو کی مشین کیونکر مستثنیٰ ہوگی؟ کیا جو کپڑے آج کل مشین سے بنتے ہیں وہ ساتر نہیں؟ ان میں نماز پڑھنا جائز نہیں؟ جو آدمی بندوق کی گولی چلانے کے لیے صرف انگلی

دباتا ہے اور اس کے ذریعے کئی لوگوں کی جانیں لے لیتا ہے وہ قاتل نہیں؟ بلکہ آج کل تو کمپیوٹرائزڈ ہتھیار آئے ہیں اور سینکڑوں میل دور بیٹھ کر ایک آدمی میزائل فائر کرنے کے لیے صرف ایک بٹن دباتا ہے اور اس کے نتیجے میں پوری کی پوری بستی اور بعض اوقات پورا شہر تباہ ہو جاتا ہے‘ تو کیا وہ قاتل شمار نہیں ہوگا؟ اس نے کون سا لشکر بھیجا ہے؟ جو پہلے زمانے میں اپنے ہاتھوں سے ویرانی مچاتا‘ آج وہ ایک بٹن سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر ایک بٹن کے ذریعے جاندار کی جان لی جاسکتی ہے اور وہ مشینی قاتل‘ جان لیوا کہلاتا ہے تو ایک بٹن دبا کر فوٹو کھینچنے والا‘ جاندار کی شکل بنانے والا کیوں مدعی مصور نہیں کہلاتا؟‘‘(۱۸)

اسی طرح موصوف ضرورت کی بنا پر استثناء اور عمومِ بلویٰ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’عام ضابطے کے مطابق ’’فإن الضروريات تبيح المحظورات‘‘ جہاں ناگزیر ضرورت پیش آئے گی اور تصویر کے بغیر وہ ضروری کام نہیں ہو سکے گا‘ مثلاً شناختی کارڈ‘ پاسپورٹ اور دیگر سرکاری اہم دستاویز جن کے لیے تصویر درکار ہو تو علمائے وقت نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ جیسے مذکورہ ضابطے کے تحت عند الضرورت فوٹو کھنچوانا اور رکھنا جائز ہے تو اس طرح ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ ’’الضروري يتقدر بقدر الضرورة‘‘ کہ ضرورت والی چیز جو اصل میں حرام ہو صرف ضرورت کی حد تک جائز ہوتی ہے‘ مثلاً ساری دنیا خون سے بھر جائے اور لوگ اس میں کھڑے ہوں تو ان کے لیے صرف اتنی مقدار میں خون پینا جائز ہوگا جس سے وہ اپنی جان بچا سکیں اور بس۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے ہمیں تسلیم ہے کہ تصویر کا بنانا اور استعمال جائز نہیں‘ مگر آج ابتلاءِ عام کی وجہ سے‘ اس سے بچا نہیں جا سکتا‘ لہٰذا بجائے اس کے کہ ہم سب مبتلا مسلمانوں کو گناہ گار قرار دیں‘ کیوں نہ اس کی اجازت دیں تاکہ سب لوگ گناہ سے بچیں۔

راقم کہتا ہے کہ یہ حیلہ ایسا خطرناک استدلال ہے کہ اگر اس کو آج بنیاد بنا کر علماء نے قبول کر لیا تو کل اس سے زیادہ محرم اشیاء اسی اصول کے تحت حلال قرار دی جائیں گی‘ آئندہ دور کے مفتیان اپنے پیش رووں کا حوالہ دے کر حرام کو حلال کریں گے‘ مثلاً جب شراب نوشی عام ہوگی تو وہ یہی کہیں گے کہ بجائے اس کے کہ سب لوگوں کو شرابی اور گناہ گار قرار دیں کیوں نہ اس کا نام تبدیل کر دیں‘ تاکہ لوگ پیتے تو ویسے بھی ہیں گناہ سے محفوظ ہو جائیں۔ اور ایسا ہوگا‘ جیسا کہ حدیث پاک کا مضمون ہے۔ اسی

طرح جب زنا و فواحش میں ابتلاءِ عام ہوگا جو ناگزیر ہے بحکم حدیث مبارک‘ تو بہت سے مفتیانِ کرام اس سے بچنے کا یہ حیلہ تجویز کریں گے کہ کیوں نہ ان کے لیے مُتعہ کو جائز کیا جائے تاکہ بے چارے زنا سے بچیں۔

اور اہم بات یہ ہے کہ گناہ کے عموم کو جواز کا ذریعہ بنانا تو زیادہ شنیع ہے‘ کیونکہ شاذ و نادر گناہ سے عمومی عذاب کا خطرہ نہیں ہوتا ہے‘ جبکہ گناہ میں سب کے مبتلا ہونے پر عذابِ استیصال کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر عمومِ بلویٰ سے گناہ‘ معصیت سے خارج مانا جائے تو پھر قیامت کیسے قائم ہوگی‘ کیونکہ گناہ اس وقت ابتلاءِ عام ہونے کی وجہ سے شناعت سے خارج شمار ہوں گے۔ اسی طرح تباہ شدہ امتیں عمومی گناہوں میں مبتلا تھیں تو کیا انبیاءؑ نے ان کے لیے وہ گناہ نام تبدیل کر کے جائز کر دیے تھے؟ کیا اصحاب السبت اس وجہ سے قردہ وخنازیر بن گئے کہ وہاں اقلیت اس گناہ میں مبتلا تھی یا حیلہ کر کے اکثریت اس میں مشغول ہوگئی؟ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ رقم طراز ہیں:

’’کسی گناہ کا عام رواج پا جانا اس کو حلال نہیں کر دیتا بلکہ اور زیادہ خطرہ عذابِ الٰہی کا اس سے ہو جاتا ہے‘‘۔ (تصویر کے شرعی احکام‘ ص:۵۳)

اصل بات یہ ہے کہ ابتلاءِ عام کا مطلب یہ نہیں کہ جب سب لوگ وہ کام کرتے ہوں تو وہ جائز ہو جاتا ہے‘ ورنہ پھر تو جن علاقوں میں سب لوگ داڑھی منڈے ہوں وہاں باہر سے آنے والے کے لیے داڑھی منڈانا جائز ہونا چاہیے‘ حالانکہ وہاں بھی داڑھی رکھنے کا حکم ہے‘ سود خوروں کی کالونی میں یا بستی میں رہنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ سود وہاں جائز ہو گیا‘ وعلیٰ ہذا القیاس۔‘‘(۱۹)

مزید برآں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن سے منسلک مفتی شعیب عالم صاحب نے مسئلہ زیرِ گفتگو سے متعلق ایک تحقیقی مقالہ ’’ڈیجیٹل تصویر۔ فنی و شرعی تجزیہ‘‘ کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ بالعموم مجوزین کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ڈیجیٹل تصویر ایک عکس ہے‘ جو ناپائیدار ہونے کی بنا پر اس تصویر کے حکم سے خارج ہے جس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ اس سے متعلق موصوف اپنے استاد حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری صاحبؒ شہید کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’جب کبھی ان سے استفسار ہوتا کہ برقی تصویر پائیدار نہیں ہوتی تو حضرت شہیدؒ کا جواب ہوتا کہ: ’’محفوظ تو ہوتی ہے‘‘۔ کبھی یہ بھی فرماتے کہ: ’’اگر یہ عکس ہے تو اصل کہاں ہے؟‘‘ مطلب یہ ہوتا تھا کہ عکس تو ذی عکس کے غائب ہونے سے ختم ہو جاتا ہے‘

مگر برقی تصویر پھر بھی برقرار رہتی ہے۔''

''محفوظ تو ہوتی ہے۔'' یہ اس قدر گہرا اور بلیغ جملہ ہے کہ اس میں کیمرے کے مقصد کا بیان بھی ہے' اختلاف کی رعایت بھی ہے' حقیقت کی وضاحت بھی ہے' اور یہی جملہ تمام فنی تفصیلات کا مغز' نچوڑ' لب لباب اور حاصل ہے۔''(۲۰)

اصولِ فقہ کے عمومی قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے :

كل ما ورد به الشرع مطلقا ولا ضابط له فيه ولا في اللغة يرجع فيه إلى العرف(۲۱)

''جو چیز شریعت میں بغیر کسی قید کے وارد ہوئی ہو اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی قاعدہ ہو نہ لغت میں اس بابت کوئی ضابطہ مقرر ہوا ہو تو اس کے متعلق عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔''

ڈیجیٹل تصویر کے تصویر ہونے یا نہ ہونے پر عرفِ عام کی دلیل پیش کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''آئینہ بنانے' آئینے کے سامنے آنے' آئینہ کسی کے سامنے لانے اور آئینے سے پردہ ہٹانے کو کوئی بھی تصویر کشی نہیں کہتا اور نہ ہی آئینے میں نظر آنے والی پرچھائیوں کو کوئی تصویر کہتا ہے' مگر برقی آلات پر ہونے والے تماشوں اور ان کی جلوہ گاہوں پر ہونے والی نقل وحرکت کو سب تصویر سمجھتے ہیں۔ تصویر دھندلی ہے' تصویر صاف نہیں' آواز آتی ہے تصویر نہیں' قریب کرنے سے تصویر کے پکسلز پھٹ جاتے ہیں' تصویر ہل گئی ہے' موبائل نہ ہونے کی وجہ سے تصویر نہ لے سکا' فلاں کا موبائل تصویروں سے بھرا ہوا ہے۔ اس قسم کے جملوں سے بخوبی عوام الناس کے عرف کا اندازہ ہوتا ہے۔''(۲۲)

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فوٹو گرافی کے پیشے اور لیڈروں اور جلوسوں کی تصویروں کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا گیا' جس پر انہوں نے اپنا موقف شرح و بسط کے ساتھ یوں بیان فرمایا:

''فوٹو کے متعلق اصولی بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام جاندار چیزوں کی مستقل شبیہہ محفوظ کرنے کو بالعموم روکنا چاہتا ہے' کیوں کہ تاریخ کا طویل تجربہ ثابت کرتا ہے کہ یہ چیز اکثر فتنے کا موجب بنی ہے۔ اب چونکہ اصل فتنہ صورت کا محفوظ ہونا ہے لہذا اس سے بحث نہیں کی جائے گی کہ اس کو کس طریقے سے محفوظ کیا جاتا ہے۔ طریقہ خواہ سنگ تراشی کا ہو یا موقلم یا عکاسی یا کوئی جو آئندہ ایجاد ہو' بہر حال وہ ناجائز ہی رہے گا۔ کیوں کہ یہ سارے طریقے اصل فتنے کا سبب بننے میں یکساں ہیں۔ پس فوٹو گرافی اور

مصوری میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اور ممانعت چونکہ جاندار اشیاء کی تصویروں کی ہے' اس لیے تمام تصویریں حرام رہیں گی' خواہ وہ فحش ہوں یا غیر فحش' البتہ فحش تصویر میں ایک وجہ حرمت کی اور بڑھ جاتی ہے۔

اس عام کے اندر اگر کوئی استثناء ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ جہاں تصویر لینے کا کوئی حقیقی تمدنی فائدہ ہو' یا جبکہ تصویر کسی بڑی تمدنی مصلحت کے لیے ناگزیر ہو' تو صرف اس غرض کو پورا کرنے کی حد تک یہ فعل جائز ہوگا۔ مثلاً پاسپورٹ' پولیس کا مجرموں کی شناخت کے لیے تصویریں محفوظ کرنا' ڈاکٹروں کا علاج کے لیے یا فن طب کی تعلیم کے لیے مریضوں کی تصویریں لینا' اور جنگی اغراض کے لیے فوٹو گرافی کا استعمال۔ (استثناء اسی اصول پر مبنی ہے جس کی بنیاد پر علماء سلف نے لڑکیوں کی تربیت اور کھیل کے لیے گڑیوں کے استعمال کی اجازت دی ہے' اور جس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے۔) یہ اور دوسرے استعمالات حکم عام سے مستثنیٰ قرار پائیں گے' بشرطیکہ وہ غرض جس کے لیے اس استثناء سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو' بجائے خود حلال ہو۔ لیکن لیڈروں کی تصویریں اور جلسوں اور جلوسوں کی تصویریں کسی طرح بھی جائز اور حقیقی ضرورت کی تعریف میں نہیں آتیں۔ خصوصاً لیڈروں کی تصویریں تو بندگانِ خدا کو اس خطرے سے بہت ہی قریب پہنچا دیتی ہیں جس کی وجہ سے تصویر کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ کانگریس کے اجلاس میں گاندھی جی کا باون فٹ لمبا فوٹو' یہ پولینڈ پر روسی قبضے کے بعد ہی اسٹالین کی تصویروں کا پولینڈ کے ایک ایک گاؤں میں درآمد کیا جانا' یہ روس میں ہر جگہ اسٹالین اور پولٹ برو کے ارکان کی تصویروں کا لوگوں کے سروں پر مسلط رہنا' اور جرمن سپاہیوں کا ہٹلر کی تصویر کو سینے سے لگائے پھرنا اور ہسپتال میں مرتے وقت اس کی تصویر کو آنکھوں سے لگا کر جان دینا' یہ سینما میں شاہ انگلستان کی تصویر سامنے آتے ہی لوگوں کا کھڑا ہو جانا' یہ سکوں پر بادشاہ کی تصویر کا بطور علامتِ حاکمیت ثبت کیا جانا' کیا یہ سب بت پرستی کی جڑیں نہیں ہیں؟ آخر اسی لیے تو اسلام نے تصویر کو حرام کیا ہے کہ انسان کے دل و دماغ پر خدا کے سوا کسی دوسرے کی کبریائی کا نقش قائم نہ ہونے پائے۔ میں تو چھوٹے بچوں کی تصویریں لینے کو بھی اسی لیے حرام سمجھتا ہوں کہ معلوم نہیں ان بچوں میں آگے چل کر کس کو خدا بنا لیا جائے اور اس کی تصویر فتنے کا موجب بن جائے۔ کنھیا جی کی بچپن کی تصویر آج تک بک رہی ہے۔ لہٰذا آپ اپنے دوست کو سمجھا دیجیے کہ ان کا پیشہ شریعت کے نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے۔''(۲۳)

مزید برآں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ نے اپنے رسالے ’’تصویر کے شرعی احکام‘‘ میں تصویر کے ضمن میں برصغیر کی دو عظیم شخصیات کے موقف میں تبدیلی کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب ؒ ابتداءً تصویر کی حلت کے قائل تھے۔ اس موقف سے ان کے رجوع کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کا تبصرہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

’’حضرت سید سلیمان صاحب ندوی قدس اللہ سرہ کا ایک گرامی نامہ میرے پاس پہنچا جس میں لکھا تھا کہ اپنا رسالہ ’’التصویر لأحکام التصویر‘‘ جو آپ نے میرے ہی رد میں لکھا ہے اس کا نسخہ مجھے بھیج دیجیے۔ احقر نے فوراً تعمیل حکم کی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ حضرت علامہ سید صاحب ؒ نے مرشد تھانوی حضرت حکیم الامت ؒ کی طرف رجوع فرمایا اور تزکیۂ نفس کے لیے بار بار تھانہ بھون حاضری کی نوبت آئی۔ تزکیۂ ظاہر و باطن کے ساتھ ماضی کے اعمال و افعال پر نظر ہونا اور کوتاہیوں کا تدارک کرنا لوازم میں سے ہے۔ حق تعالیٰ نے جب سید صاحب ؒ کو اس مقام فناء پر سرفراز فرمایا تو اپنے اعمالِ ماضیہ کے جائزے اور تلافیٔ مافات کے ساتھ اپنی چالیس سالہ علمی تحقیقات اور مستقل تصانیف اور مقالات و مضامین اس جائزے کا مستقل موضوع بنے‘ اور بالآخر محرم ۱۳۶۳ھ میں ’معارف‘ اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۴۳ء آپ نے سلف صالحین کی اس سنت کو زندہ فرمایا اور ’’رجوع و اعتراف‘‘ کے عنوان سے ایک مضمون اپنی سب تصانیف اور تحریرات و مضامین کے متعلق اجمالاً اور خاص خاص مسائل سے رجوع کے متعلق تفصیلاً شائع فرمایا۔ اس میں مسئلہ تصویر کے بارے میں مضمونِ سابق جو ’معارف‘ میں شائع ہوا تھا اس کے ان اجزاء سے پوری تصریح و وضاحت کے ساتھ رجوع کا اعلان فرمادیا جو جمہور فقہاء امت سے مختلف تھے۔‘‘[۲۴]

اسی مضمون میں مولانا ابوالکلام آزاد ؒ کے موقف کی تبدیلی کا ذکر کیا گیا ہے:

’’دوسری طرف یہ واقعہ بھی قریباً اسی زمانے میں پیش آیا کہ ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم جنھوں نے مدتِ دراز تک اپنا مشہور اخبار ’الہلال‘ باتصویر شائع کیا‘ جب وہ رانچی جیل میں تھے آپ کے متعلقین میں سے بعض حضرات نے آپ کی سوانح اور حالات کو بنام ’تذکرہ‘ جمع کر کے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا تو جدید مصنفین کی رسم کے مطابق انہوں نے رانچی جیل میں آپ کو خط بھیجا کہ مجھے اپنا فوٹو عنایت فرمادیں جس کو میں اس کتاب کے شروع میں لگانا چاہتا ہوں۔ اس پر علامہ ابوالکلام آزاد مرحوم نے جو جواب تحریر فرمایا وہ خود اسی تذکرے میں ان الفاظ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے: تصویر کا

کھنچوانا‘ رکھنا اور شائع کرنا سب ناجائز ہے۔ یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی اور الہلال کو باتصویر نکالا تھا۔ اب میں اس غلطی سے تائب ہو چکا ہوں۔ میری پچھلی لغزشوں کو چھپانا چاہیے نہ کہ از سر نو ان کی تشہیر کرنا چاہیے۔‘‘[۲۵]

مسلمانوں کے لیے احتیاط کی روش

مختلف فیہ امور میں تقویٰ اور احتیاط کی روش کی جانب مندرجہ ذیل روایت میں بہت وضاحت کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے:

((إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ))[۲۶]

’’حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شبہ میں ڈالنے والی چیز سے بچا‘ اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا اور جو شبہ ڈالنے والی چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا۔ اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو (کسی ممنوع) چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے‘ تو قریب ہے کہ جانور اس چراگاہ سے بھی چر لیں۔ خبردار رہو‘ ہر بادشاہ کے لیے ایک (مخصوص) چراگاہ ہوتی ہے‘ اور اللہ کی چراگاہ کی حد اُس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔‘‘

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں حلال و حرام کے مابین جن مشتبہ امور کا تذکرہ کیا گیا ہے‘ ان کے بارے میں خیر القرون کے رویوں کا کچھ اندازہ ذیل کے اقوال سے کیا جاسکتا ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا ندع سبعين بابا من الحلال مخافة أن نقع في باب من الحرام[۲۷]

’’ہم حرام میں ملوث ہو جانے کے ڈر کی وجہ سے ستر حلال چیزیں بھی چھوڑ دیا کرتے تھے۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ترکنا تسعة اعشار الحلال مخافة الربا[۲۸]

’’ہم ۹۰ فی صد (بظاہر) حلال کو سود کے اندیشے سے چھوڑ دیتے تھے۔‘‘

جامعة العلوم الاسلامیہ‘ بنوری ٹاؤن سے جاری فتوے میں اسلامی بینکاری اور تصویر

سازی کی حرمت پر ایک ساتھ کلام کیا گیا ہے۔ انہی دلائل کی بنیاد پر اسلامی بینکاری کے مسئلے میں اجتناب کی تلقین کی جاتی ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ تصاویر کے معاملے میں جدید دور کے دباؤ اور رائے عامہ کی بنا پر انہی دلائل کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ نصوصِ شرعیہ میں تصاویر اور ان کے مقاصد کے ضمن میں جتنی شدت پائی جاتی ہے‘ اس شدت کے تناظر میں ہمیں اپنے طرزِ عمل کا از سرِ نو جائزہ لینا ہوگا اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے تقویٰ اور احتیاط ہی کی روش کو اختیار کرنا ہوگا۔ خصوصاً سوشل میڈیا کے فتنوں سے بچاؤ کا واحد طریقہ یہی ہے کہ تصاویر کے بارے میں احتیاط و اجتناب کی روش کو اختیار کیا جائے۔ اللہ ربّ العزت اس دنیائے فانی کے تمام فتنوں سے محفوظ و مامون رکھے‘ آمین!

حواشی

(۱) معارف القرآن‘ جلد ہفتم‘ ص ۲۶۸۔۲۷۱‘ طبع مارچ ۲۰۰۳ء‘ ناشر ادارۃ المعارف کراچی

(۲) صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب عذاب المصورین یوم القیامة

(۳) صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب عذاب المصورین یوم القیامة

(٤) صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب نقض الصور

(٥) صحیح البخاری‘ کتاب بدء الخلق‘ باب ذکر الملائکة

(٦) صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب من کرہ القعود علی الصورة

(۷) سنن النسائی‘ کتاب الزینة‘ باب ذکر اشد الناس عذابا

(۸) صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب من کرہ القعود علی الصورة

(۹) تصویر کے شرعی احکام‘ از مفتی محمد شفیع صاحب‘ ص ۳۰‘ ناشر ادارۃ المعارف‘ کراچی

(۱۰) سنن الترمذی‘ کتاب اللباس‘ باب ما جاء فی الصورة

(۱۱) صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب کراھیة الصلاة فی التصاویر

(۱۲) صحیح مسلم‘ کتاب اللباس والزینة‘ باب تحریم تصویر صورة الحیوان ......

(۱۳) عمدة القاری شرح صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب کراھیة الصلاة فی التصاویر

(۱٤) عمدة القاری شرح صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب عذاب المصورین یوم القیامة

(۱۵) فقہی مقالات از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب‘ ص ۱۲۳۔۱۳۴‘ جلد چہارم‘ طبع ۲۰۱۱ء‘ ناشر میمن اسلامک پبلشرز

(۱۶) فتاویٰ یوسف القرضاوی‘ جلد اول‘ ص ۳۶۳‘ ناشر: البدر پبلی کیشنز‘ لاہور

(۱۷) ’’ڈیجیٹل کیمرے کی تصویر کی حرمت پر مفصّل و مدلّل فتویٰ‘ ص ۷۸۔۱۴۶‘ ناشر‘ شعبہ نشر و اشاعت جامعہ دار العلوم‘ یٰسین القرآن‘ نارتھ کراچی

(۱۸) شعاعی تصویر کی حقیقت اور شرعی حیثیت‘ ص ۶۰‘ ناشر مکتب الامام محمدؒ جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن‘ کراچی

(۱۹) شعاعی تصویر کی حقیقت اور شرعی حیثیت‘ ص ۶۰‘ ناشر مکتب الامام محمدؒ جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن‘ کراچی

(۲۰) ڈیجیٹل تصویر: فنی و شرعی تجزیہ‘ ص ۹۲‘ ناشر مکتبہ السنان‘ کراچی

(۲۱) شیخ عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی‘ الأشباہ والنظائر‘ دار الکتب العلمیة‘ بیروت: ۱٤۰۳ھ/۱۹۸۳ء‘ طبع اول

(۲۲) ڈیجیٹل تصویر۔ فنی و شرعی تجزیہ‘ ص ۱۰۳‘ ناشر مکتبۃ السنان‘ کراچی

(۲۳) رسائل و مسائل (حصہ اول)‘ از مولانا مودودی رحمہ اللہ‘ ص ۱۱۹۔۱۲۱‘ ناشر اسلامک پبلی کیشنز‘ لاہور

(۲۴) تصویر کے شرعی احکام‘ از مفتی محمد شفیع صاحب‘ ص ۷۔۸‘ ناشر ادارۃ المعارف‘ کراچی

(۲۵) تصویر کے شرعی احکام‘ از مفتی محمد شفیع صاحب‘ ص ۹‘ ناشر ادارۃ المعارف‘ کراچی

(۲٦) صحیح مسلم‘ کتاب المساقاة‘ باب اخذ الحلال وترک الشبھات

(۲۷) الرسالة القشیریة لعبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری‘ ص ۲۳۳‘ باب الورع‘ الناشر: دار المعارف‘ القاھرة

(۲۸) کنز العمال‘ کتاب البیوع‘ باب فی الاحتکار‘ باب فی الربا واحکامہ۔ مصنف عبدالرزاق‘ کتاب البیوع‘ باب طعام الامر واکل الربا

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے

حقیقت و اقسامِ شرک

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

اشاعت خاص 100 روپے، اشاعت عام 60 روپے

عِیادۃُ المَرِیض

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

قرآن مجید میں مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا گیا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)۔ بھائی دوسرے بھائی کا ہمدرد‘ خیرخواہ‘ غم گسار اور مددگار ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: ’’سلام کا جواب دینا‘ مریض کی عیادت کرنا‘ جنازہ کے ساتھ جانا‘ دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا‘‘۔ (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہؓ) پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ یہ حقوق ادا کرے۔ ان میں ایک حق یہ بتایا گیا ہے کہ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔

بیمار شخص ہمدردی کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ انسانی تقاضا بھی ہے کہ بیمار آدمی کی خبرگیری کی جائے‘ اس کے پاس جا کر اس کو تسلی دی جائے‘ اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے بہم پہنچائی جائے‘ پھر اللہ تعالیٰ سے اُس کی شفا کے لیے دعا کی جائے۔ مریض کی عیادت کا حکم بھی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی ہے۔ اس لیے بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو کسی مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے مگر یہ کہ شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت اور مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح ہونے تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک پھلوں کا باغ مقرر کر دیا جاتا ہے‘‘۔ (ترمذی عن علیؓ)

مریض کی عیادت پر اس قدر اجر و ثواب کا تقاضا تو یہ ہے کہ مریض کی عیادت کا کوئی موقع ضائع نہ کیا جائے‘ بلکہ کچھ وقت نکال کر مسلمان بھائی کی عیادت کی جائے۔ عیادت کرنے والا اس بات کا خیال رکھے کہ وہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہ ٹھہرے اور اس کے ساتھ طویل بات چیت نہ شروع کر دے‘ بلکہ ہمت افزا جملوں کے ساتھ اس کو خوش کر دے‘ بیماری سے شفا کی امید دلائے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی ایسے آدمی کے پاس تشریف لے جاتے جس کی عیادت کرنی ہوتی تو فرماتے: ((لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ)) ’’کوئی حرج نہیں‘ ان شاء اللہ (یہ بیماری) گناہوں سے پاک کرنے والی ہے‘‘۔ (بخاری عن ابن عباسؓ) رسول اللہ ﷺ بیمار کے لیے ان الفاظ میں دعا کرتے:

((اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا)) (متفق علیہ‘ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا)

’’اے لوگوں کے رب! بیماری دور کر دے‘ تو ہی شفا دینے والا ہے‘ پس شفا عطا کر دے‘ کوئی شفا نہیں سوائے تیری شفا کے‘ ایسی شفا جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے‘‘۔

اگر کسی کو جسم میں درد محسوس ہوتا تو آپ ﷺ دم کرتے۔ حضرت ابوعبداللہ عثمان بن ابوالعاص ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس درد کی شکایت کی جو ان کو اپنے جسم میں محسوس ہو رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: ’’تمہارے جسم میں جس جگہ درد ہے وہاں اپنا ہاتھ رکھو اور تین مرتبہ بسم اللہ کہو‘ پھر سات مرتبہ یہ دعا پڑھو: ((اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ)) (مسلم عن ابن عباسؓ) ’’میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عزت اور قدرت کے ذریعے سے اس چیز کے شر سے جس کو پاتا ہوں اور جس (کی کثرت) سے ڈرتا ہوں‘‘۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو۔ اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا‘‘۔ (جامع ترمذی‘ عن ابی سعیدؓ) مریض کے پاس جا کر پُرامید باتیں کرنی چاہئیں‘ مثلاً اس بیماری سے تمہیں ان شاء اللہ صحت ہو جائے گی‘ تمہاری حالت پہلے سے بہتر ہے۔ ایسی باتیں سن کر مریض کا دل خوش ہوگا اور دراصل عیادت کا مقصد یہی ہے۔ اگر مریض کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ پہلے سے کمزور ہو رہا ہے تو اس کو اس کا احساس نہ دلائیں‘ کیونکہ اس طرح اس پر مایوسی طاری ہوگی۔ ایسی عیادت مریض کو پریشانی میں مبتلا کرے گی اور کچھ نفع نہ ہوگا۔ اگر مریض کی موت آنے والی ہے تو وہ اٹل ہے‘ لیکن اسے فکرمند اور پریشان کرنا کسی طور پر درست نہیں۔ بعض لوگ اس ادب کو فراموش کر دیتے ہیں اور مریض کی حالت دیکھ کر اسے ایسی باتیں کہتے ہیں جس سے اس کی پریشانی میں اضافہ ہو جاتا ہے‘ مثلاً مریض کو دیکھ کر کہتے ہیں آپ تو بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ کبھی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ آپ کا مرض فلاں شخص کو تھا وہ تو جانبر نہ ہو سکا۔ مریض کی عیادت کرنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے‘ جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک اور عیادت کے لیے تیرا چلنا

مبارک اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنا لیا‘‘۔ (سنن ابن ماجہ‘ عن ابی ہریرہؓ)

مرض سے بچاؤ کے لیے معوذتین کی خصوصی اہمیت ہے‘ چنانچہ ان کو رواج دیا جائے۔ آپ ﷺ حضرت حسن اور حسین ؓ پر یہ سورتیں پڑھ کر دم کرتے تھے تاکہ وہ مرض‘ حسد اور بدنظری سے بچے رہیں۔ تمام ذی روح مشکل‘ مشقت‘ پریشانی اور بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں‘ لہٰذا جب کوئی انسان یا جانور کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا ہو تو حسب استطاعت اس کی مدد کرنا چاہیے۔ ہر مصیبت زدہ کی تکلیف کا احساس کرنا چاہیے۔ دیکھنے والا اللہ کا شکر ادا کرے کہ اللہ نے اسے اس دکھ سے بچایا ہوا ہے۔

ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو آپؐ اس کی عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ’’تو اللہ کا دین قبول کر لے‘‘۔ اُس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھا۔ اس نے اپنے لڑکے سے کہا: ابوالقاسم کی بات مان لے۔ اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے‘ آپؐ فرما رہے تھے: ’’حمد اُس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے بچا لیا‘‘۔ (صحیح بخاری عن انسؓ) گویا بلاتفریق مذہب و ملت ہر بیمار کی عیادت کرنا مسنون ہے۔ اگر کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان کے اچھے سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تو ایسا عمل اُس کی نجات کا باعث بن سکتا ہے۔

مریض کو مرض کی وجہ سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ یوں بیماری مریض کو پاک صاف بنا دیتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی کسی مریض کی عیادت کرے تو اس سے اپنے حق میں دعا کرنے کو کہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کی دعا قبول ہونے کی بشارت دی ہے‘ ان میں مریض بھی شامل ہے۔ مریض ہمدردی چاہتا ہے‘ لہٰذا مریض کی خدمت کرنا‘ اس کی دل جوئی کرنا اور اسے خوش کرنے والے کلمات کہنا اجر و ثواب کا باعث ہے۔

موت سے کسی کو فرار نہیں‘ مگر بیماری میں کسی کی مدد کرنا اور اس کو فائدہ پہنچانا بہت اچھا عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کی موت قریب نہ ہو‘ پھر اس کے پاس سات مرتبہ یہ کلمات کہے: **اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ** (میں اللہ بزرگ و برتر سے جو کہ عرش عظیم کا رب ہے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھ کو شفا عطا فرمائے) تو اللہ تعالیٰ اس کو اس مرض سے شفا عطا کر دیتا ہے۔‘‘ (ابوداوٗد‘ ترمذی عن ابن عباسؓ)

ہم اپنے بچوں کو
قرآن کریم کی عربی زبان کیسے سکھائیں؟

مولانا محمد بشیر ☆

میرا آج کا موضوع یہ ہے کہ ہم اپنی درسگاہوں میں کمسن بچوں کو قرآن کریم کی تدریس کے دوران عربی زبان کیسے پڑھائیں؟ اس موضوع پر بات کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے اپنے عزیز بچوں کی تعلیمی پوزیشن‘ ان کی ابتدائی درسگاہ کے ماحول اور تعلیم وتربیت کے ان پروگراموں اور اصولوں پر روشنی ڈالیں جن کے مطابق ان کی ابتدائی نشوونما ہوتی رہی ہے۔ اور پھر انہی اصولوں اور پروگراموں کی اساس پر مستقبل میں بچوں کی مزید ترقی اور بہتر تعلیم وتربیت کا خاکہ بنائیں‘ کیونکہ ایک کامیاب طالب علم وہ ہوتا ہے جو اپنی تعلیم کے ابتدائی زینوں پر جن اصولوں کو سیکھے وہ انہیں مکمل طور پر سمجھتا ہو اور اپنی پوری زندگی میں ان کا اطلاق کرنے کے قابل ہو۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ عرب لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں‘ ایک وہ جو جدی پشتی عرب ہوتے ہیں‘ خواہ وہ مسلمان ہوں یا کسی دوسرے دین کے پیروکار۔ دوسرے مسلمان لوگ جو اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں‘ وہ بھی عرب ہوتے ہیں۔ کئی دوسرے ائمہ نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔

ہر مسلمان بچہ عربی ہوتا ہے!

اس حقیقت کے فہم اور تائید کے لیے جب ہم مسلمان بچے کی ابتدائی تعلیم وتربیت کی صورت اور اس کی مرحلہ وار ترقی پر غور کرتے ہیں‘ تو ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلام نے نومولود بچوں کی اسلامی تعلیم اور انہیں عربی زبان کی عملی تربیت دینے کی ایسی عمدہ اور پختہ منصوبہ بندی کی ہے‘ جس کے نتیجے میں ہر مسلمان بچہ حقیقتاً یا بالقوۃ عربی ہوتا ہے۔ آیئے شریعتِ اسلامیہ کی اس تدبیر اور حکمت کے چند مظاہر پر نظر ڈالیں۔

☆ متخصص فی تعلیم اللغة العربیة لغیر العرب‘ مؤسس معھد اللغة العربیة اسلام آباد

پہلا کورس: ماں کی گود کا تعلیمی کورس

ہر مسلمان بچے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ ایک عظیم نعمت ہوتی ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسے دنیا کی پہلی خوراک ’’گھٹی‘‘ کھلانے سے پہلے اس کے دائیں کان میں اللہ تعالیٰ کی توحید‘ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور دعوت اسلام پر مشتمل عربی اذان پڑھی جاتی ہے‘ اور دوسرے کان میں اقامت۔ یوں مسلمان بچے کی پیدائش کے اول روز سے ہی اس کی اسلامی اور عربی تعلیم وتربیت کا عمدہ آغاز ہوتا ہے۔ پھر جب وہ ایک ڈیڑھ سال بعد بولنے لگتا ہے تو اسے سب سے پہلے لفظ اللہ اور بسم اللہ بولنے کی تربیت اور مشق کرائی جاتی ہے۔ پھر وہ امی‘ ابو یا بابا اور ماما وغیرہ بولنا سیکھتا ہے۔ بعدازاں جب وہ کچھ لمبے الفاظ بولنے لگتا ہے تو اسے لَا اِلٰهَ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وغیرہ بولنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اور اس طرح مسلمان گھرانوں میں بچے کی اسلامی وعربی تعلیم وتربیت کا یہ مبارک سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

دوسرا کورس: قاعدہ یسرنا القرآن کورس

پھر جب بچہ تین چار سال کا ہوتا ہے تو وہ قریبی مسجد‘ مدرسے یا محلے کے کسی گھر میں **القاعدة البغدادیة، قاعدہ یَسّرنا القُرآن** یا **نورانی قاعدہ** پڑھنے لگتا ہے۔ وہ اس تمہیدی قاعدے کو بالعموم ایک یا دو سال مسلسل محنت سے پڑھتا رہتا ہے‘ اور عربی زبان کے تمام حرفوں کی الگ الگ پہچان‘ ان کی مفرد اور مرکب شکلوں کی پہچان اور خواندگی سیکھتا ہے اور ان کے استعمالات کی مشق کرتے ہوئے قرآن کریم کے تمام الفاظ‘ ترکیبات‘ جملوں اور آیات کی قراءت سیکھتا ہے۔ نیز ان تمام حروف کے مخارج اور مدات کی اقسام‘ نیز وصل اور وقف کے قواعد کی تعلیم پاتا ہے۔

تیسرا کورس: ناظرہ قرآن کریم

اس تمہیدی قاعدے کو مکمل کرنے کے بعد یہ خوش نصیب بچے قراءت وتلاوت کے انہی اصولوں اور قاعدوں کے مطابق اب قرآن کریم کی تلاوت کی تربیت کا نیا کورس شروع کرتے ہیں‘ جسے ناظرہ قرآن کریم کورس کہا جاتا ہے۔ اس میں کتاب اللہ کو شروع سے لے کر آخر تک سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے۔ یہ کورس ڈیڑھ دو سال تک جاری رہتا ہے۔ اس دوران وہ قرآن

کریم کی آسان‘ سلیس اور شیریں عربی زبان پر مشتمل اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور آیات کو بار بار اور تکرار سے پڑھتا ہے۔

چوتھا کورس: حفظ قرآن کریم کورس یا قراءتِ قرآن کریم کورس

بعد ازاں کچھ خوش نصیب بچے شعبہ تحفیظ القرآن الکریم میں داخلہ لیتے ہیں اور قرآن کریم کو شروع سے لے کر آخر تک زبانی یاد کرتے ہیں اور وہ صبح شام اور دن رات قرآن کریم کی عبارتوں اور سورتوں کو بیسیوں یا سینکڑوں بار پڑھتے اور دہراتے ہیں۔ اس کورس کو مکمل کرنے کے لیے وہ عموماً دو یا تین سال مسلسل پڑھتے رہتے ہیں‘ جب کہ کئی دوسرے خوش نصیب بچے قرآن کریم کی تجوید و قراءت کورس میں داخلہ لیتے ہیں اور وہ ائمہ سلف اور معروف قراء سے مروی قراءت و تجوید کے قواعد کے مطابق آیاتِ کریمہ کی تلاوت کی مشق کرتے ہیں اور اساتذہ سے تربیت لیتے ہیں۔

یوں مسلمان بچے اپنی پیدائش کے اول روز سے لے کر سات‘ آٹھ یا دس گیارہ سال اور کبھی بارہ تیرہ سال تک اپنی زندگی عربی قرآن کریم اور عربی اسلامی تربیت کے سائے میں گزارتے ہیں تو ان کے ذہنوں اور حافظے میں قرآنی الفاظ‘ مرکبات‘ محاورے‘ جملے اور پوری پوری آیات پختہ اور محفوظ ہو جاتی ہیں۔ نیز ان کی آنکھوں میں قرآنی الفاظ اور جملوں کی کتابت کی شکلیں مرتسم ہو جاتی ہیں اور وہ انہیں بوقت ضرورت نہایت آسانی سے لکھنے‘ پڑھنے اور بولنے کی قدرت و مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ رسولِ عربی ﷺ سے مروی نماز کے تمام اذکار‘ اذان‘ اقامت اور زندگی کے دیگر مواقع پر پڑھی جانے والی دعاؤں اور اذکار کو بھی زبانی یاد کر لیتے ہیں۔ اس طرح یہ مسلمان بچے اس عرصے میں تیس پاروں پر مشتمل قرآن کریم کی فصیح و بلیغ اور منقح عربی لغت کے عظیم اور وسیع ذخیرے سے اچھی طرح واقف اور مانوس ہو جاتے ہیں‘ بلکہ وہ **افصح العرب سیدنا محمد** ﷺ کی نہایت جامع اور بلیغ دعاؤں اور اذکار کے ایک اچھے ذخیرے کو بھی یاد کر لیتے ہیں۔

کیا مسلمان بچہ عربی کی طرح کسی دوسری زبان کو سیکھتا اور جانتا ہے؟

یہ قرآن کریم‘ اسلامی تعلیم اور عربی زبان و ادب کے ان کورسز کا مختصر تذکرہ ہے‘ جنہیں ہر مسلمان بچہ اپنی عمر کے روزِ اوّل سے لے کر دس گیارہ سال تک بڑے شوق اور محنت سے

سنتا‘ پڑھتا اور یاد کرتا ہے۔ پھر اس کے والدین اور معلمین جس محنت‘ توجہ اور شوق سے اسے یہ تعلیم و تربیت دیتے ہیں‘ اسے بھی سامنے رکھیں۔ یوں ہر مسلمان بچہ قرآن کریم اور حدیث شریف کی معیاری اور اعلیٰ عربی لغت کا عظیم ذخیرہ یاد کرتا رہتا ہے‘ بلکہ وہ اسلام اور عربی لغت کے اس عظیم علمی و تعلیمی ذخیرہ کو طویل عرصہ تک سینکڑوں بلکہ ہزاروں بار سنتا‘ پڑھتا اور دہراتا ہے کہ یہ عربی حروف‘ الفاظ‘ جملے‘ عبارتیں اور سورتیں اس کے دل دماغ اور عقل و فکر میں رچ بس جاتے ہیں۔ بحث کو مزید واضح کرنے کی غرض سے یہاں اس کے درج ذیل تین پہلوؤں پر توجہ دی جائے۔

اوّل: یہ کہ ہمارے مسلمان بچے مذکورہ بالا کورسوں میں جس عربی لغت کو پڑھتے‘ صبح شام دہراتے اور حفظ کرتے ہیں‘ وہ قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور رسولِ عربی ﷺ کی مبارک احادیث کا عمدہ انتخاب ہوتا ہے‘ جس کا منبع وحی الٰہی ہے۔ اس لیے یہ عام سطح کی عربی زبان نہیں ہوتی بلکہ اعلیٰ درجے کی شستہ اور سلیس زبان (refined language) اونچی اور معیاری لغت (classical vocabulary) ہوتی ہے۔ اگر اسے صحیح طور پر سکھایا جائے تو وہ بچوں کی اعلیٰ علمی و ادبی صلاحیت اور بلند فکر و نظر کی ضامن بن سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے یہ کم عمر بچے اس بلند سطح کی کسی دوسری زبان‘ خواہ وہ ان کی مادری زبان ہو‘ مثلاً اردو‘ انگریزی اور پشتو وغیرہ‘ کا مطالعہ تو نہیں کرتے۔

دوم: قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ کی تدریس کے ان کورسوں میں مسلمان بچے جس وسیع و عریض عربی ادب اور عظیم ذخیرۂ لغت سے آگاہ ہوتے ہیں‘ اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی‘ خصوصاً بچوں کی کم سنی میں۔

سوم: مسلمان بچے اس عظیم دینی اور فکری سرمایہ اور عظیم ذخیرۂ لغت کو جس پابندی اور تسلسل سے بچپن میں‘ اپنی جوانی میں اور آخری عمر تک اور عمر کے آخری دن تک‘ دہراتے‘ تلاوت کرتے اور یاد کرتے ہیں اس کی کوئی اور مثال بھی شاید نہ مل سکے‘ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ!

اب یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ہر مسلمان کے لیے اس کی پیدائش کے دن سے لے کر اس کی پوری زندگی اور آخری دن تک تمام عبادات‘ اذکار‘ تعلیم و تربیت‘ معیشت و سیاست اور تلقین وغیرہ سب کی زبان عربی ہی رکھی ہے۔ اس لیے عربی زبان دین

اسلام کا عظیم شعار ہے اور اس دین فطرت کا جزو ہے جس کی تشریح ہمارے رسول عربی ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ)) (متفق علیه، عن ابی ھریرة ؓ)

''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

اس دین فطرت میں عربی زبان بھی شامل ہے، کیونکہ اسلام اور عربی زبان کے مابین لازم وملزوم کا رشتہ ہے۔ اس لیے ہم اپنی درسگاہوں کو مدارسِ عربیہ یعنی اسلامی مدارس کہتے ہیں اور عرف عام میں بھی اس سے مراد دین اسلام ہی ہوتا ہے۔ عام مسلمان کہتے ہیں کہ ہمارے بچے عربی پڑھ رہے ہیں یعنی اسلامی وعربی تعلیم۔

قرآن کریم کی عربی زبان خصوصیت سے زیادہ آسان ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾۔ اسی صفت کے مطابق اس باب میں اس کی ایک عظیم نعمت کا ذکر کرنا یہاں بہت ضروری اور مفید ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت ورحمت کے مطابق اس کائنات کی ہدایت اور بھلائی کی خاطر اپنی آخری کتاب قرآن حکیم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، اور پھر اسے عام فہم اور سہل اسلوب میں بیان کیا ہے تاکہ اسے عوام وخواص، شہری ودیہاتی، خواندہ وناخواندہ تمام انسان، نیز عرب وعجم سبھی لوگ پڑھ سکیں اور اس کے ارشادات اور احکام کو بآسانی سمجھتے ہوئے ان پر عمل کر سکیں۔ چنانچہ قرآن حکیم کی عربی زبان کے الفاظ، ترکیبیں، محاورے اور جملے آسان اور چھوٹے چھوٹے ہیں اور ان کے مضامین اور مطالب بھی عموماً مختصر، سہل اور اتنے عام فہم ہیں کہ چھوٹی عمر کے بچے بھی انہیں بآسانی پڑھ کر ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس آخری امت پر عظیم نعمت اور شفقت ہے۔ اپنی اس عظیم نعمت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے ایک درجن سے زیادہ مقامات پر بیان کیا ہے۔ صرف سورۃ القمر میں چار بار اس آیت کریمہ کو دہراتے ہوئے اس سے پند وموعظت لینے کی دعوت دی گئی ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''یقیناً ہم نے قرآن کو نہایت آسان بنا دیا ہے، تو کیا کوئی اس

سے نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟''

قرآن حکیم کی اس آسان زبان اور آسان اسلوب کی طرح خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی حدیث شریف کی عربی زبان اور اسلوب بھی اس قرآنی زبان واسلوب کا عکس ہونے کی بنا پر نہایت آسان اور عام فہم ہے۔ نیز کتاب وسنت کی اس سہل زبان اور سہل اسلوب کی طرح عام اسلامی لٹریچر پر بھی یہی رنگ غالب ہے، کیونکہ صحابہ کرام ؓ، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین ؒ اسی قرآنی نور سے منور ہیں۔ بلکہ امت کے اکثر علماء، ادباء، فقہاء اور خطباء کا کلام اسی قرآنی ونبوی زبان واسلوب میں رنگا ہوا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ!

پھر خصوصیت سے ہمارے اس علاقے کے لوگوں کے لیے جو اردو اور فارسی وغیرہ ایسی زبانوں کو جانتے ہیں جو عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں اور ان میں عربی الفاظ اور ترکیبات کی بہت بڑی مقدار پائی جاتی ہے، عربی اور بھی زیادہ آسان ہو جاتی ہے۔ ہماری قومی زبان اردو میں مستعمل عربی الفاظ، محاوروں، روز مروں اور مرکبات کا تناسب تقریباً چالیس فیصد سے زیادہ ہے۔

اسی طرح ہمارے علاقے اور خطے کی دوسری زبانوں مثلاً فارسی، سندھی، پشتو، پنجابی اور کشمیری وغیرہ میں بھی عربی الفاظ، ترکیبات اور محاوروں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

مستحکم بنیاد اور پختہ منصوبہ

اوپر میں نے مسلمان بچوں کی اسلامی وعربی تعلیم وتربیت بارے جن حقائق کا ذکر کیا ہے وہ ایسا امر واقع ہیں جن پر ہر باشعور مسلمان، خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی، خوشی خوشی عمل کرتا ہے اور تمام اسلامی ممالک کے بچے ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس پروگرام پر غور وفکر اور تجزیے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ہماری نسلوں کی ابتدائی سطح کی اسلامی اور لسانی تربیت کا مکمل اور دائمی منصوبہ خود بنایا ہوا ہے جس کی بنیاد صحیح عقیدۂ توحید اور اعلیٰ اصولوں پر رکھی گئی ہے، اور مسلمان اسے نافذ کرنے کے پابند ہیں اور وہ واقعتاً اس پر برضا ورغبت عمل کرتے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ!

بہرحال یہ اس مستحکم بنیاد پر قائم پختہ تعلیمی وتربیتی منصوبے کا خلاصہ ہے جسے مکمل کرتے ہوئے ہمارے یہ عزیز اور انمول بچے ہمارے اسلامی مدارس میں مزید اعلیٰ تعلیم وتربیت حاصل

کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اب ہم نے ان کی آئندہ تعلیم وتربیت کی منصوبہ بندی کرنی ہے۔

آیئے پہلے ہم ان کا مفصل جائزہ لیں اور دیکھیں کہ تعلیم کے ان ابتدائی زینوں میں وہ کن امور یا پہلوؤں میں اچھی مہارت حاصل کر لیتے ہیں؟ اور کن کن امور میں پسماندہ رہتے ہیں؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور ان کا ازالہ کیسے کیا جائے؟ ان سوالات کا صحیح جائزہ لینے کے بعد ہمیں مستقبل میں ان کی بہتر تعلیم وتربیت کی منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔ یہاں ان کی تعلیم وتربیت کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

مثبت پہلو

(۱) عربی حروف کے مختلف استعمالات کی پہچان۔

(۲) عربی الفاظ کے ہجوں (spelling) کی پہچان میں مکمل اور اعلیٰ مہارت۔

(۳) عربی حروف کے مخارج کی تعلیم اور مشق۔

(۴) قرآن کریم کی قراءت کے ضروری قاعدوں کی تعلیم اور عملی مشق۔

(۵) منتخب سورتوں کا حفظ۔

(۶) مکمل قرآن کریم کا حفظ۔

(۷) منتخب مسنون دعاؤں اور اذکار کا حفظ۔

(۸) اسلام کے دونوں بنیادی ارکان (۱) شہادتین اور (۲) نماز کی مکمل تعلیم اور عملی مشق۔

(۹) بنیادی اسلامی آداب کی تعلیم وتربیت۔

(۱۰) عربی زبان کے وسیع ذخیرۂ لغت کی سالوں تک زبانی قراءت۔

(۱۱) عربی زبان کے وسیع ذخیرۂ لغت کا حفظ اور دہرائی۔

(۱۲) عربی زبان کے وسیع ذخیرۂ لغت کی سماعت مسلسل کرتے ہیں۔

منفی پہلو

(۱) عربی زبان کے اس ذخیرۂ لغت کا فہم بہت کم حاصل ہوتا ہے۔

(۲) عربی الفاظ اور جملوں کو مسلسل پڑھنے اور سننے کے باوجود ان کے استعمال سے یکسر ناواقف رہتے ہیں۔

(۳) عربی الفاظ اور جملوں کو مسلسل پڑھنے اور سننے کے باوجود انہیں لکھنے کی قدرت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ: ہمارے یہ عزیز بچے قرآن کریم اور حدیث کی اعلیٰ اور معیاری عربی زبان کو طویل مدت تک پڑھتے ہوئے

(۱) اسلامی عقیدے، نماز ادا کرنے اور آداب کی اچھی تربیت حاصل کرتے ہیں۔

(۲) عربی کے وسیع ذخیرے کو پڑھنے کی تربیت پاتے ہیں۔

(۳) اس کے ایک بڑے حصے کو زبانی یاد کرتے ہیں۔

(۴) اور اسے سننے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں۔

لیکن: (۱) اس وسیع ذخیرۂ لغت کے فہم سے قاصر رہتے ہیں۔

(۳) اپنی بول چال میں ابتدائی عربی کے استعمال پر قادر نہیں ہوتے۔

(۳) وہ عربی زبان کو لکھنے سے یکسر قاصر ہوتے ہیں۔

بنیادی نقص

قرآن کریم اور حدیث شریف کے ان ابتدائی کورسوں کی تدریس کے دوران ہمارے بچے وسیع علم اور تربیت حاصل کرتے ہیں اور بہت سی تعلیمی مہارتوں کو خوب سیکھ لیتے ہیں۔ لیکن اس وسیع تعلیم وتربیت میں صرف ایک بنیادی نقص رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ ابتدائی عربی زبان کے فہم اور اسے بولنے اور لکھنے کی مشق اور تربیت سے بالکل محروم رہتے ہیں۔ فنِ تعلیم کے مطابق اصولی طور پر انہیں دوسری تعلیمی مہارتوں کے ساتھ ساتھ ان تینوں امور یعنی (۱) ابتدائی عربی زبان کے فہم (۲) لکھنے (۳) بولنے میں بھی اچھی صلاحیت پیدا کرنے کا اہتمام ضروری ہوتا ہے۔

تشخیص

مسلمان بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کے اس بنیادی نقص اور بیماری کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ نقص چند سال اور جاری رہا تو یہ ان کی اچھی اور متوازن شخصیت کی تعمیر وترقی میں حائل رہے گا اور ان کی کئی صلاحیتوں کو جامد کرتے ہوئے انہیں ہمیشہ کے لیے احساسِ کمتری میں مبتلا کر دے گا' اور وہ کبھی بھی ان شعبوں میں ترقی نہ کر سکیں گے۔

عربی زبان بولنے اور لکھنے کی تربیت دینے کا سنہری موقع

جیسا کہ میں پہلے تفصیل سے بیان کر چکا ہوں' اس تعلیمی مرحلے پر پہنچنے تک مسلمان بچے

قرآن کریم کی مبارک زبان کی اچھی تعلیم وتربیت حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ اور وہ کچھ اور محنت کر کے اسے بولنے اور لکھنے کی مہارت بھی حاصل کر سکتے ہیں اور وہ اس بات کا شوق بھی رکھتے ہیں اور اہلیت بھی۔ پھر ان کے پاس مناسب وقت بھی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ انہیں عربی زبان پڑھنے‘ بولنے اور لکھنے کی معیاری تعلیم وتربیت دینے کا سنہری موقع ہوتا ہے۔ لہٰذا ہماری درسگاہوں اور مساجد کو اس موقع سے استفادہ کرنا چاہیے۔

حل اور علاج

اس کی آسان صورت یہ ہو سکتی ہے کہ نورانی قاعدہ یا قاعدہ یسرنا القرآن کی تکمیل کے بعد جو ناظرہ قرآن کورس پڑھایا جاتا ہے اس کے آخری سال یا آخری ششماہی میں بچوں کو ہر سبق کے آخر میں روزانہ صرف پانچ یا دس منٹ ابتدائی عربی زبان کے عربی میڈیم کورس کی عملی مشق کرائی جائے تو وہ آسانی اور خوشی سے ابتدائی عربی زبان بولنے اور لکھنے لگیں گے‘ جس سے ان کے اس نقص کا ازالہ ہوگا اور وہ ابتدائی عربی زبان کے فہم اور استعمال میں مناسب مہارت حاصل کر لیں گے‘ جو آئندہ تعلیمی درجات میں ان کی مزید ترقی اور مہارت کا ذریعہ بنے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح یہی عملی کورس اور مشق شعبہ تحفیظ القرآن الکریم کے بچوں کو بھی مکمل کرایا جائے۔ ❁❁❁

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین
کی اہمیت وفرضیت، بعنوان:
توحیدِ عملی
سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
اشاعت خاص 150 روپے، اشاعت عام 100 روپے

Apr 2018
Vol.67

Regd. CPL No.115
No.4

Monthly **Meesaq** Lahore

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کُلّیۃ القُرآن (قرآن کالج) لاہور

وفاق المدارس سے الحاق شدہ

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سکھاتے ہیں۔'' (حدیث نبوی ﷺ)

درس نظامی (آٹھ سالہ کورس) کے پہلے سال میں

داخلے شروع

خصوصیات

- ☆ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ میٹرک، ایف اے، بی اے اور ایم اے کی ریگولر کلاسز
- ☆ ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے کلی یا جزوی کفالت کی سہولت
- ☆ وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ/پنجاب یونیورسٹی کا نصاب
- ☆ کلاس میں نمایاں پوزیشن لینے والے طلبہ کے لیے وظائف
- ☆ تقریر اور تحریر کی مہارت کے لیے نامور اساتذہ کی راہنمائی

شیڈول برائے داخلہ

- ☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ 4 اپریل 2018ء
- ☆ انٹرویو اور تحریری ٹیسٹ 4 اپریل 2018ء
- ☆ کلاس کا آغاز 5 اپریل 2018ء

اہلیت برائے داخلہ

- ☆ آٹھویں جماعت پاس طلبہ درجہ اولیٰ /میٹرک کے لیے داخلہ فارم جمع کروا سکتے ہیں۔
- ☆ میٹرک کے امتحانات سے فارغ طلبہ بھی درجہ اولیٰ اور FA میں داخلے کے اہل ہیں۔
- ☆ عمر 14 تا 16 سال برائے میٹرک (حفاظ کے لیے عمر میں دو سال کی رعایت)
- ☆ عمر 15 تا 18 سال برائے FA (حفاظ کے لیے عمر میں دو سال کی رعایت)
- ☆ صرف پاکستانی شہری

برائے معلومات

دفتری اوقات کے دوران 042-35833637
دفتری اوقات کے بعد 0301-4882395

المعلن

حافظ عاطف وحید، مہتمم